سہ ماہی نئی دھلی

خبر نامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر: ۸ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۳ء شمارہ نمبر: ۱

ایڈیٹر

(مولانا) سید نظام الدین

خط و کتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail: aimplboard@gmail.com / Web: www.aimplboard.in

ایڈیٹر پرنٹر و پبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	پیغام	(حضرت) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
۲	اداریہ	(حضرت) مولانا سید نظام الدین	۵
۳	ہم جنسی کی تائید کیوں؟ یہ بدفعلی مہلک ہے	محمد عبدالرحیم قریشی	۷
۴	نفقۂ مطلقہ کا مسئلہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۰
۵	متبنیٰ بل اور اسلامی تعلیمات	مولانا عتیق احمد بستوی	۱۳
۶	تبنیت کے موضوع پر اسلام کا موقف	مفتی وقار علی	۲۲
۷	تعمیر انسانیت کی اہم بنیادیں	مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۲۷
۸	سودی لین دین مسلم سماج کے لئے ناسور	مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی	۲۹
۹	مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں (مختصر رپورٹ)	وقار الدین لطیفی	۳۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد للّٰہ رب العالمین ، و الصلاۃ و السلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین سیدنا محمد ، و علیٰ آلہ و صحبہ الغرالمیامین، ومن تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلی یوم الدین، أما بعد :

آج سے اکتالیس سال قبل مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی فکر اور اس کے لیے حسب ضرورت بورڈ کا قیام جن حالات واسباب کی بنا پر عمل میں لایا گیا تھا، وہ حالات اور اسباب ختم نہیں ہوئے ہیں، اس طرح کے حالات وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے، جن کے سلسلہ میں اگر ضروری توجہ نہ کی جائے گی، تو مسلمانوں کا اپنے مذہبی احکام پر عمل کرنے کے اختیار کو نقصان پہونچ سکتا ہے، لہذا ملت کے دینی تحفظ کی فکر رکھنے والوں کا ایسے حالات پر برابر نگاہ رکھنا ضروری ہے، تاکہ احکام شریعت پر ان کے عمل کرنے کی مذہبی آزادی برابر قائم رہے، اور ان کے مذہبی تشخص وتحفظ کو کوئی خطرہ نہ پیش آئے، کیوں کہ وہ اقلیت میں ہیں، اور اقلیت کو اپنے مسائل کے سلسلہ میں توجہ وفکر مندی برابر قائم رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور جن ذہنوں میں یکساں سول کوڈ کا تقاضہ ابھرا تھا، ان ذہنوں میں اسی طرح کا کوئی خیال پھر ابھر سکتا ہے، ہندوستان کے دستور نے ملک کے ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے اپنے طریقہ کے مطابق عمل کرنے اور اس کے مطابق ادارے چلانے کا حق دے رکھا ہے، اس حق کو برقرار رکھنے کی فکر کرنے کی برابر ضرورت ہے، کیوں کہ ان کے اس حق کو بدلنے یا اس پر حکومت وقت کو اپنے اثر میں لینے کی بات سامنے آسکتی ہے، ابھی حال میں کئی ایکٹ جو حکومت کی طرف سے آئے ہیں، ان کی بعض دفعات اقلیت کی مذہبی خود اختیاری کے لیے ضرر رساں پائے گئے ہیں، بورڈ ان کی اصلاح کے سلسلہ میں کوشش جاری رکھے ہوئے ہے، لیکن ہر ایکٹ کو ایسے اسلوب میں مرتب کیا گیا ہے، کہ خود مسلمانوں کے بعض دانشور اس کے بعض پہلوؤں کی نقصان رسانی کو محسوس نہیں کر سکے ہیں، اسلامی حقوق کی حفاظت کو مؤثر بنانے کے لئے ایسے ذہنوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ وہ اسلامی حقوق کی اہمیت کو سمجھیں، اور اس کا بھی خیال رکھیں کہ حکومت کی طرف سے جو ایکٹ بنائے جائیں، یا کورٹ کی طرف سے جو فیصلے ہوں، وہ دستور میں دیئے ہوئے اختیارات کی روشنی میں کسی مذہب کے لیے ضرر رساں نہ ہوں، ملک کے باشندوں میں سے ہر مذہب والوں کو جو مذہبی تحفظ دستور ہند کی رو سے ملا ہوا ہے، وہ ایکٹ کی کسی دفعہ سے متاثر نہ ہو، اسی بات پر نظر رکھنے اور ضرورت کے مطابق کوشش کرنے کی ذمہ داری مذہبی حقوق کے پاسبانوں پر عائد ہوتی ہے، اسی ذمہ داری کو بورڈ الحمدللہ انجام دینے کی کوشش کرتا ہے، اور اسی کے ساتھ اس بات کی فکر بھی رکھتا ہے، کہ ملک کی عدالتوں میں بھی ایسے فیصلے نہ کئے جائیں، جن سے مذہبی آزادی پر روک لگتی ہو، اس طرح کے حالات جب پیش آئیں، تو مسلمانوں کے احساس وغیرت دینی رکھنے والے حضرات ان کے خطرات کو محسوس کریں، اور

اس کے لیے بورڈ کا ساتھ دیں، اور تائید وتعاون کے ذریعہ کوشش میں شریک ہوں، تعاون کے ضمن میں مالی تعاون کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے، کیوں کہ کم از کم عدالتی کوششوں میں بے حد صرفہ آتا ہے، خاص طور پر جب کہ سپریم کورٹ تک کوششوں کا سلسلہ پہونچتا ہے، اور بورڈ کے پاس آمدنی کا کوئی باقاعدہ اور متعین ذریعہ نہیں ہے، وہ ملت کے حوصلہ مند افراد کے تعاون سے ہی کام لیتا ہے، اس کی فکر ملت کے افراد رکھیں گے تو بورڈ کے مقصد کار کو مطلوبہ قوت حاصل ہو سکے گی، اور مسلمانوں کو اپنے مذہبی حق کے تحفظ کرنے میں انشاء اللہ کامیابی حاصل ہو سکے گی۔

ہماری ملت اسلامیہ ہندیہ کو ملک کی دیگر اقلیتوں کے مقابلہ میں الحمد للہ یہ امتیاز حاصل ہے، کہ وہ ایک تو اپنی شریعت کے معاملہ میں خود کفیل ہے، اور دوسرے یہ کہ اس نے اپنی شریعت اسلامیہ میں خود کفیل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ملی تشخص کے بقاء کے لیے بورڈ کی صورت میں اپنا مشترکہ پلیٹ فارم بنا رکھا ہے، جس کے ذریعہ وہ اپنی شریعت کے سلسلہ میں پیش آمدہ مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی ہے، اور شریعت کے تحفظ کو یقینی بنایا ہے۔

ملت اسلامیہ کا یہ بورڈ جس جذبہ اور فکرمندی کے ساتھ ملت کی نصرت اور شریعت کے تحفظ کے لیے میدان عمل میں آیا تھا، وہ الحمد للہ اس میں اپنے اولین خدمتگاروں کے نقش قدم پر ہی چل رہا ہے، اس سلسلہ میں اس پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، وہ حالات کے مطابق ان کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ خوشی کی بات ہے، کہ اس کے ارکان باوجود اپنے متنوع مسلکوں اور گروپوں کے نمائندے ہونے کے بورڈ کے مقصد اور لائحہ عمل پر متفق اور آپس میں تعاون کے ساتھ عمل پیرا ہیں، اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں آپسی تعاون کے طریقہ کار پر کاربند ہیں، اور الحمد للہ وسعت قلبی اور تعاون سے کام لیتے ہیں، جس کو ذمہ داران بورڈ تشکر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ملت اسلامیہ ہند کے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور دیگر مختلف مسائل کی فکر کرنے کے لیے اس ملک میں شروع ہی سے مسلمانوں کی متعدد جماعتیں قائم ہیں، اور وہ سب اپنی اپنی جگہ ملت کی خدمت انجام دے رہی ہیں، یہ جماعتیں ملت کی اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو مخصوص طور پر اختیار کرتی ہیں، اور اپنا اپنا مخصوص نقطہ نظر اور بعض بعض اپنا مخصوص مذہبی مسلک بھی رکھتی ہیں، وہ سب ملت کے مسائل ومعاملات کی فکرمندی اور انجام دہی میں اپنے اپنے دائرہ میں حصہ لیتی ہیں، بورڈ کا ان سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، بورڈ نے تو ملت کی بنیادی ضرورت جو اس کے مذہبی بقاء سے تعلق رکھتی ہے، یعنی شریعت اسلامی کو کوئی نقصان پہونچنے کا خطرہ سامنے آئے تو اس کو وہ روکے، اور تحفظ شریعت کے سلسلہ میں پیش آمدہ خطرات کو روکنے کی ذمہ داری انجام دے، اور اس خاص مقصد کے سلسلہ میں اس کو ملت کی سب جماعتوں اور اداروں کا ایک طرح سے وفاق ہونے کی حیثیت حاصل ہے، لہذا بورڈ نے قوانین شریعت کے مشترکہ بنیادی معاملات تک اپنی کوششوں کو محدود رکھا ہے، وہ ملت کے دیگر معاملات میں ان معاملات کی فکر کرنے والی جماعتوں کی کوششوں کو تحسین کی نظر سے دیکھتا ہے، اور ان کو کافی سمجھتا ہے، ان میں بقدر ضرورت تعاون دیتا ہے، خاص طور پر وہ سماجی معاملات جن کا قوانین شریعت سے کچھ تعلق بنتا ہے، ان معاملات میں بورڈ حسب ضرورت شرکت کرنا اور تعاون دینا ان کے کام کرنے والوں کے لیے تقویت کا ذریعہ سمجھتا ہے، مثلاً تفہیم شریعت، اصلاح معاشرہ اور دارالقضاء وغیرہ، ان کے علاوہ بنیادی طور پر ملت کی دیگر جماعتیں اپنی اپنی جگہ جو خدمات انجام دیتی ہیں، بورڈ ان کو ہی کافی سمجھتا ہے۔ ۞۞۞

اداریہ حکومت انسداد فرقہ وارانہ فساد مخالف بل منظور کرے

مولانا سید نظام الدین
جنرل سکریٹری بورڈ

ہمارے ملک کی سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ وہ ایک کثیر مذہبی ملک ہے، جس قدر مذاہب کے ماننے والے اس ملک میں بستے ہیں، شاید کسی اور ملک میں نہیں بستے اور یہ صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتے آئے ہیں، اس ملک پر صدیوں مسلمان بادشاہوں کی حکومت رہی، ایسا بھی ہوا کہ مرکزی حکومت کے ساتھ ساتھ ملک کے طول وعرض میں بعض چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم رہیں، جن میں کہیں ہندو راجاؤں کی حکومت رہی اور کہیں مسلمان راجاؤں کی؛ اگر چہ حکمرانی کے درمیان کشمکش رہتی تھی اور بعض دفعہ جنگ وجدال کی نوبت بھی آجاتی تھی؛ لیکن عوام ہمیشہ سیر وشکر ہوکر ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے، ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم تھا، ایک دوسرے کے دُکھ سکھ میں کام آتے تھے، آپس میں سماجی اور معاشی تعلقات تھے؛ بلکہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد وہ تھی جن کے آباء واجداد ہندو تھے اور جو اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوکر دامن اسلام میں آگئے تھے؛ اس لئے بعض اوقات آپس میں رشتہ داریاں بھی رہتی تھیں، وہ ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا پاس ولحاظ رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں کتنے ہی ایسے تاریخی مندر موجود ہیں جو صدیوں؛ بلکہ ہزاروں سال پہلے کے بنے ہوئے ہیں، اگر مسلمان اپنے ہندو بھائیوں کے مذہبی مقامات و جذبات کا لحاظ نہیں کرتے تو آج ان کا وجود باقی نہیں رہتا۔

پھر جب ملک پر حکومت برطانیہ نے غاصبانہ قبضہ کیا اور آزادی کی تحریک شروع ہوئی تو ہندو مسلمان اور سکھ سبھوں نے مل کر آزادی کی لڑائی لڑی اور پورے اتحاد اور یکجہتی کے ساتھ غاصب قوت کا مقابلہ کرتے ہوئے انھیں ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کردیا، ہندوستانی قوم کا یہ اتحاد انگریزوں کو بہت گراں گزرتا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ یہاں بسنے والی مختلف قوموں کے درمیان اختلاف پیدا کردیا جائے؛ تاکہ یہ کمزور ہوجائیں اور ان پر ہمارا اقتدار قائم رہے، اس کے لئے انھوں نے غلط فہمیاں پیدا کیں، جھوٹی تاریخ مرتب کی، ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کو ایک دوسرے کے خلاف ورغلایا، فسادات کرائے اور اس طرح نفرت کی ایسی بیج بودی جس کا پودا بڑھتا رہا، آزادی کے بعد پھر اس فرقہ وارانہ منافرت کو ختم ہوجانا چاہئے تھا؛ لیکن بدقسمتی سے آزادی ایسے ماحول میں حاصل ہوئی، جب فرقہ وارانہ کشیدگی اپنی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ فرقہ پرستی کا پودا بڑھتا رہا اور ایک تناور درخت بن گیا؛ چنانچہ آج اس کے کڑوے پھل نے باہمی محبت و اُخوت کی میٹھاس کو آلودہ کردیا ہے اور نفرتیں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ ہندوستان جیسا امن وامان کا گہوارہ باہمی اختلاف اور فرقہ وارانہ فسادات کے لئے ایک مثال بن گیا ہے۔

ابھی ایک فساد کا اثر ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہوجاتا ہے، ابھی حال میں مظفر نگر اور شاملی وغیرہ کے علاقہ میں ہونے والے واقعات نے انسانی اُخوت اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو شرمندہ کرکے رکھ دیا، جس میں ایک منصوبہ کے ساتھ شر پسند عناصر نے کم آبادی والی مسلمان بستیوں کو نشانہ بنایا اور ان کی جان ومال اور عزت وآبرو کو پامال کیا، حکومت کو اس موقع پر جس چوکسی کا ثبوت دینا چاہئے تھا اور انتظامیہ کو اس سلسلے میں جس چستی کے ساتھ لا اینڈ آرڈر پر قابو پانا چاہئے تھا، ابتدائی مرحلہ میں وہ اس میں ناکام رہیں۔

ایسے واقعات کے سدباب کے لئے کئی سطحوں پر کام کرنے کی

ضرورت ہے، پہلی ضروری بات یہ ہے کہ حکومت قانون کو ایسا سخت بنائے کہ فرقہ پرست اور دہشت گرد عناصر کے دلوں میں خوف پیدا ہو، مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے تیز رفتار عدالتی نظام ہو، گواہان کو تحفظ دیا جائے اور مجرمین کو قرار واقعی سزا دی جائے، افسوس کہ ۲۰۰۴ء سے ''انسداد فرقہ وارانہ بل'' زیر التواء ہے، مگر حکومت نے اس کو پاس کرنے کی کوئی سنجیدہ اور ٹھوس کوشش نہیں کی، اکثر فسادات کسی خاص واقعہ یا زہر آلود تقریروں کی وجہ سے شروع ہوتے ہیں یا شروع ہونے کے بعد آگے بڑھتا ہے، بعض دفعہ کوئی واقعہ گڑھ لیا جاتا ہے اور فرضی تصویریں اور غیر مصدقہ خبریں میڈیا کے ذریعہ پھیلائی جاتی ہیں، جن کے نتیجہ میں فسادات پھیلتے چلے جاتے ہیں، ایسے محرکات پر بروقت پابندی لگائی جائے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مختلف فرقوں کے درمیان تعلقات کو استوار کرنے، خوشگوار بنانے اور باہمی بھائی چارہ کو فروغ دینے کی خصوصی مہم چلائی جائے، یہ کام انصاف پسند، سیکولر مزاج اور انسانیت دوست ہندو مسلمان مذہبی قائدین اور سماجی کارکنان کے کرنے کا ہے، ہزار تدبیریں کرلی جائیں، جب تک نفرت کے اس بنیادی سبب کو ختم نہیں کیا جائے گا، امن وانصاف اور اُخوت و بھائی چارہ قائم نہیں ہوسکتا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ انسداد فرقہ وارانہ فسادات کے مجوزہ بل کو پارلیمنٹ کے حالیہ اجلاس میں پاس کرائے اور اسکے ساتھ ساتھ مسلمان تنظیموں، اداروں اور جماعتوں سے نیز سماجی زندگی میں نمایاں رول ادا کرنے والی شخصیتوں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اکثریت اور اقلیت کے درمیان برادرانہ تعلقات کے قیام کے لئے خصوصی جدوجہد کریں، اس کو اپنا ایک اہم دینی و ملی فریضہ تصور کریں؛ کیوں کہ وہ خیر اُمت ہیں اور عدل وانصاف کو قائم کرنا ان کی بنیادی ذمہ داری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی اور اس کی اہمیت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❁❁❁

بقیہ: سودی لین دین مسلم سماج کے لئے ناسور

جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا اور اوپر کی جانب میں نے نگاہ اٹھائی تو وہاں سخت بجلی کی کڑک اور گرج سنائی دی پھر مجھے ایک ایسی جماعت دکھائی گئی جن کے پیٹ حویلیوں کے مانند تھے اور ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ (جنہیں ایسی سخت سزا دی جارہی ہے) اس سوال کے جواب میں حضرت جبریلؑ نے عرض کیا یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔'' (الترغیب والترہیب، ج:۳،ص:۷)

پچھلی سطروں میں سودی لین دین کے سلسلے میں دنیا وآخرت کی جو سزائیں ذکر کی گئی ہیں ان پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آئے گی کہ سود ایسا خطرناک گناہ ہے جس کی وجہ سے دنیا وآخرت دونوں کی زندگی تباہ وبرباد ہوجائے گی، نہ دنیا میں سکھ چین اور عافیت نصیب ہوسکے گی اور نہ آخرت میں دوزخ کے عذاب سے نجات ملے گی، چند روزہ زندگی میں تھوڑا سا مال حاصل کرنے اور اس مال کے ذریعے عیش وآرام اور راحت کے اسباب جمع کرنے کا اتنا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کا تصور ہی دل دہلا دینے کے لئے کافی ہے۔ کیسی بڑی نادانی میں مبتلا ہیں وہ لوگ جو تھوڑے سے پیسوں کے عوض دونوں جہانوں کا خسارہ مول لے رہے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے سخت ترین عذاب کو دعوت دے رہے ہیں۔ تمام اہل ایمان کو خدا تعالیٰ کی اس نصیحت پر عمل کرنا چاہئے جو سورہ آل عمران میں ذکر کی گئی ہے۔ ''اے ایمان والو! سود کو بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ اور ڈرو اس دوزخ کی آگ سے جو ناشکرے انسانوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اور (سودی لین دین کے سلسلے میں) اللہ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (سورہ آل عمران: ۱۳۰ تا ۱۳۲)

❁❁❁

ہم جنسی کی تائید کیوں؟ یہ بدفعلی مہلک ہے

محمد عبدالرحیم قریشی (سکریٹری بورڈ، حیدرآباد)

ناز فاونڈیشن نامی ادارے نے ۲۰۰۱ء میں دہلی ہائیکورٹ میں ایک رٹ داخل کی تھی جس میں اس ادارے نے قانون تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۷۷ کے دستوری جواز کو چیلنج کیا تھا اس دفعہ میں کسی شخص کے غیر فطری جنسی فعل کو جو دوسرے انسان کے ساتھ یا جانور کے ساتھ ہو جرم قرار دیا گیا ہے جس کے لئے دس سال سزائے قید سے لے کر تا عمر قید کی سزا کا حکم فوجداری عدالت دے سکتی ہے۔ ناز فاونڈیشن کی جانب سے یہ بات پیش کی گئی کہ تنہائی اور خلوت میں جو عمل دو اشخاص کے درمیان بلا جبر اور باہمی رضامندی سے ہو اس کو جرم قرار نہیں دینا چاہیے خلوت Privacy میں کوئی مداخلت نہیں ہونی چاہیے 'ہندوستان کا دستور' مساوات کو اور وقار کے ساتھ زندگی گزارنے کو شہریوں کے بنیاد حقوق قرار دیتا ہے مگر ان حقوق سے ہم جنسی میں مبتلا افراد کو محروم کیا جارہا ہے۔ ایک دلیل یہ بھی تھی کہ ہم جنسی کے فعل کے نتیجہ میں دونوں افراد اکثر ایڈس جس کو ایچ۔ آئی۔ وی (HIV) بھی کہا جاتا ہے اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں دواخانے یا ڈاکٹر سے اس لئے رجوع نہیں ہوتے کہ کہیں پولیس ان کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش نہ کردے اور انہیں سزا نہ ہو۔ ہم جنسی میں مبتلا یہ اشخاص تو مریض ہونے کی وجہ سے ہمدردی کے مستحق ہیں نہ کہ سزا کے۔ دہلی ہائیکورٹ نے ۲/جولائی ۲۰۰۹ء کو فیصلہ دیا کہ دو بالغ اشخاص کے درمیان باہمی رضامندی سے ہم جنسی کے فعل کو جرم قرار نہیں دیا جاسکتا اس لئے دفعہ ۳۷۷ میں ترمیم کی جائے۔ اس فیصلہ کی رو سے ہم جنسی کا فعل جائز اور سب کے لئے قابل قبول بن جاتا ہے اور دستور کے بنیادی حقوق کی جو تشریح اس فیصلہ میں کی گئی تھی اس کی رو سے ہم جنسی کے فعل میں ملوث افراد کو بری نظر سے دیکھنا بھی نامناسب اور غیر موزوں قرار پاتا ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ دہلی ہائیکورٹ میں فریق نہیں تھا، اس لئے بھی کہ اس حیرت انگیز فیصلہ تک اس کے بارے میں اطلاع عام نہیں تھی اس فیصلہ کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ نے ۲۰۱۰ء میں خصوصی اجازت کی درخواست (SLP) کے ذریعہ دہلی ہائیکورٹ کے فیصلہ خلاف سپریم کورٹ میں اپیل داخل کی۔ اس پر فریقین کی بحث جسٹس مکھوپادھیائے اور جسٹس سنگھوی کے اجلاس پر ۲۷/ مارچ ۲۰۱۲ء کو مکمل ہوئی اور فیصلہ کو محفوظ کردیا گیا اب ۱۱/دسمبر ۲۰۱۳ کو اپنے ریٹائرمنٹ سے بس ایک دن پہلے جسٹس سنگھوی نے فیصلہ سنایا۔ اور جہاں تک فیصلہ کا علم ہوا ہے اس میں صرف قانونی نقطہ نظر سے بات کہی گئی کہ جس عمل کو قانون میں جرم قرار دیا گیا عدالت اس عمل کو جرائم کی فہرست سے خارج نہیں کرسکتی یہ اختیار پارلیمنٹ کا ہے۔ اس بنیاد پر دہلی ہائیکورٹ کے فیصلہ کو روکیا گیا ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ دستور اور قانون کے نقطہ نظر سے سپریم کورٹ میں دہلی ہائیکورٹ کے فیصلہ کو غلط ٹھہرایا فیصلہ میں بیرونی ممالک (آسٹریلیا، امریکہ اور جنوبی افریقہ وغیرہ) کی اعلیٰ عدالتوں کے جن فیصلوں کو نظیر بنایا گیا بورڈ نے واضح کیا سپریم کورٹ کو بتایا کہ ان کا اطلاق ہندوستانی دستور اور اس کے تاویل وتعبیر پر نہیں ہوتا آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے موقف کی بنیاد کو میں یہاں ذرا اور وضاحت سے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

صرف مغرب، امریکہ، یوروپ، آسٹریلیا ہی نہیں بلکہ دنیا کے

اکثر ممالک میں ہم جنسی کے فعل کو گوارا کرنے اور قابل قبول بنانے کے لئے کہا جاتا کہ جس طرح مرد یا عورت ہوکر، گورا یا کالا بن کر انسان پیدا ہوتا ہے اس میں اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا اسی طرح ہم جنسی کا رجحان پیدائشی ہوتا ہے اور اس وجہ سے ایسا شخص ہم جنسی میں مبتلا ہونے پر مجبور ہے اور جو خصوصیت یا رجحان فطری اور پیدائشی ہو اس کی کسی طرح ہمت شکنی نہیں کی جاسکتی ہے اور اس کو جرم قرار دیا نہیں جاسکتا ہے۔

۱۹۷۳ء سے پہلے عوام بھی اور جدید طب کے لوگ Medical Community بھی ہم جنسی کو مرض اور ذہنی بیماری سمجھتے تھے اور اس کو امریکن سائیکیارٹک Psychiartic اسوسی ایشن کی ریفرنس بک میں اس کو ذہنی مرض بتایا جاتا رہا ہے۔

ہم جنسی کے بارے میں اس نقطہ نظر میں تبدیلی سائمن لی وے Simon Levay کی ایک تحقیق کے بعد آئی جو سان ڈیاگو کے سالک انسٹی ٹیوٹ فار بیالوجیکل اسٹیڈیز میں کام کرتے تھے۔ انھوں نے ایک تحقیق میں یہ بتایا کہ ہم جنسی میں مبتلا مردوں کے دماغ کا وہ حصہ جو نیوران کلسٹر (Cluster of Neurons) ہوتا ہے وہ عورتوں کے دماغ میں موجود اس کلسٹر کی طرح چھوٹا ہوتا ہے جبکہ عام مردوں میں یہ کلسٹر عورتوں کے مقابلہ میں بڑا ہوتا ہے۔ اس تحقیق کو لے کر کہا جانے لگا کہ ہم جنسی کی وجہ حیاتیاتی ہے اور یہ رویہ فطری اور پیدائشی ہے حالانکہ خود لی وے Levay نے تردید کی کہ میں نے یہ ثابت نہیں کیا ہے کہ ہم جنسی کا تعلق جنین سے ہے اور جین Gene ہی ہم جنسی کے رجحان اور رویہ کا سبب ہے۔ اس سے پہلے کالی مان (Kalimann) نے ایک دوسرے سے مکمل طور پر مشابہ جڑواں افراد کے جنسی رجحانات کی تحقیقات ۱۹۵۲ء میں شائع کی اور دعویٰ کیا کہ مشابہ جڑواں بھائیوں میں صد فیصد یکسانیت پائی جاتی ہے۔ کالی مان نے بعد میں یہ اقرار کیا کہ یہ ثابت شدہ تحقیق نہیں بلکہ اس کا خیال ہے۔ مگر اس کے اعلان کے بعد تحقیقات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی کے مائیکل بیلے اور باسٹن یونیورسٹی کے رچرڈ پیلارڈ نے بالکلیہ مشابہ جڑواں بھائیوں کی ۵۶ جوڑیوں، غیر مشابہ جوڑواں بھائیوں کی ۵۴ جوڑیوں، ۱۴۲ غیر جڑواں بھائیوں اور گود لئے گئے بھائیوں کی ۵۷ جوڑیوں کا تحقیقاتی مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بالکلیہ مشابہ جڑواں بھائیوں میں ۵۲ فیصد، غیر مشابہ میں ۲۲ فیصد اور دیگر میں ۹,۱۱ فیصد میں ہم جنسی کے رجحان میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

بالکلیہ مشابہ جڑواں بھائیوں میں ہم جنسی کے رویہ میں صد فیصد یکسانیت نہ پائی جانے کا مطلب واضح طور پر یہ ہے کہ ہم جنسی کے فعل کی حیاتیائی (Biological) بنیاد نہیں ہے زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ سائنسدانوں کنگ اور میکڈونالڈ نے یہ تناسب اور بھی کم پایا۔ مگر ہم جنسیت میں ملوث افراد کی لابی اس پر کہاں مطمئن ہوتی۔ ایک نظریہ نیشنل کینسر انسٹیٹیوٹ کی ایک ٹیم کا سامنے آیا جس کے سربراہ ڈین ہیامر (Hamer) تھے کہ ہم جنسی کا جین Gene کروموزوم پر ہوسکتا ہے جو کسی مرد میں ماں کی طرف سے آتا ہے۔ لیکن یہ نظریہ مفروضہ ہی رہا۔ کئی سائنسدانوں نے اس کی تردید کی تحقیقات میں یہ نظریہ غلط ثابت ہوا۔ ایک اور پہلو سے غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ اگر ہم جنسی کا سبب حیاتیاتی ہوتا تو اب سے بہت پہلے ہم جنسی کا رجحان و رویہ ختم ہوجانا چاہیے تھا کیونکہ ہم جنسوں کی کوئی نسل نہیں ہوتی اور ہم جنسی میں ملوث شخص اگر کسی عورت سے تعلق بھی رکھے تو اس میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت بہت کم ہوجاتی ہے۔ غرض آج تک ہم جنسی کے کسی جین کا پتہ انسانی جنین میں نہ چل سکا ساٹیکیاٹری کی مشہور کتاب 'سائیکیاٹری کی جامع ٹکسٹ بک جو مچلان اور ساڈوک کی مرتبہ ہے اس کی پہلی جلد میں فعل ہم جنسی پر ایک باب ہے جس میں اس کی تردید کی گئی ہے کہ بدفعلی کا یہ رجحان حیاتیاتی ہے اور ایک شخص اس رجحان کو لے کر پیدا ہوتا ہے۔ یہ نظریہ جو ہم جنسی کے فعل کو گوارا اور معاشرہ میں قابل قبول بنانے کی بنیاد ہے بالکل غلط ہے۔

پچھلے (۴۰) برسوں کے مطالعہ، تحقیقات اور اعداد و شمار سے جو بات دنیا کے سامنے آرہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم جنسی کی بدفعلی کی وجہ سے ایڈس، ایچ۔آئی۔وی کا مرض وجود میں آیا جس کا آج تک علاج دریافت نہیں ہوا ہے، زیادہ سے زیادہ اس کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ یہ مرض فوری ظاہر نہیں ہوتا دس سال تک بھی اس کے آثار محسوس نہیں ہوتے بعض خطرناک امراض جیسے سوزاک، آتشک وغیرہ جو روئے دنیا سے تقریباً ختم ہو چکے تھے، اس بدفعلی کی وجہ سے لوٹ کر آرہے ہیں یہ تحقیقات سامنے آچکی ہیں کہ ایڈس کے ساتھ Syphilis (سوزاک) Gonorrhea (آتشک) Proctis, Herpes ,Genital warts جیسے انتہائی تکلیف دہ امراض، ہم جنسی میں ملوث شخص کی زندگی کو اجیرن کردیتے ہیں اور اسکی موت بڑی دردناک ہوتی ہے۔ ۲۰۰۷ء میں سائنسدانوں تھامس پیٹرمن اور بروس فرنیس نے اپنی تحقیقات کا اعلان کیا کہ مرد کے ساتھ مرد کی بدفعلی سے سوزاک (Syphilis) کا مرض جو تقریباً مٹ چکا تھا، عود کر چکا ہے اور ہم جنسی میں مبتلا مردوں میں عام ہورہا ہے۔

غرض یہ کہ ہم جنسی میں مبتلا شخص خواہ وہ فاعل کہ مفعول وہ خود بھی جان لیوا مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور اپنے ساتھی کو بھی اس میں مبتلا کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا قانون اس بات کی اجازت دے گا کہ ایک شخص خود کو نقصان پہنچائے اور زخمی کرلے اور اپنے ساتھی کو بھی نقصان پہنچائے اور زخمی کردے جب قانون اس کی اجازت نہیں دے سکتا اور اس کو جرم قرار دے کر روکتا یا محدود کرتا ہے تو کیوں نہیں ہم جنسی کے فعل کو جرم قرار دیا جائے مسز سونیا گاندھی نے سپریم کورٹ کے فیصلہ کو غلط قرار دیتے ہوئے قانون سازی یا پھر آرڈی نینس کے ذریعہ دفعہ ۳۷۷ میں ترمیم کی بات کہی ہے۔ اس لیے بے چاری کو ہندوستان اور ہندوستان کے تہذیب وتمدن سے کوئی اچھی واقفیت ہے اور نہ کوئی وابستگی۔ ان کا پس منظر بھی مغربی یعنی یوروپی ہے اس لئے ان کی بات کو نظر انداز کردینا چاہیے مگر صدر جمہوریہ کو فعل ہم جنسی سے پیدا ہونے والے خطرات سے واقف کرانا ضروری ہے۔ تاکہ وہ ناواقفیت کی بنا پر آرڈی نینس پر دستخط نہ کر بیٹھیں لیکن حیرت ہوتی ہے اور افسوس ہوتا ہے چدمبرم اور کپل سبل جیسے مرکزی وزراء پر جو ظاہر ہے اس بات سے ناواقف نہیں ہوں گے کہ ایڈس کے ساتھ دیگر مہلک امراض ہم جنسی کے فعل سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیوں ان کے دل میں اس پر درد نہیں اٹھتا کہ کس طرح حکومت اور قانون کسی شخص کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ اپنی خوشی اور رضامندی سے کسی مہلک مرض میں مبتلا ہو اور اپنے ساتھی کو بھی اس میں مبتلا کرے کوئی سلیم العقل شخص اس کو گوارا نہیں کرے گا۔

اپنی بات ختم کرنے سے پہلے اس کیس کے ایک دلچسپ پہلو کو بیان کرنا چاہتا ہوں، دہلی ہائیکورٹ کے فیصلہ کے بعد، جب یہ بات عام ہوئی کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس کے خلاف سپریم کورٹ سے رجوع ہوگا تو وشواہندو پریشد کے اہم رکن جو یو۔پی کے ڈائرکٹر جنرل آف پولیس بھی رہ چکے تھے آنجہانی بی۔پی۔سنگھل نے فون پر مجھ سے رابطہ پیدا کیا، اس کے بعد تبادلہ خیال کا سلسلہ فون اور ای میل کے ذریعہ کچھ عرصہ تک چلتا رہا جس کے بعد انھوں نے بھی سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کا فیصلہ کیا کہ ہندو دھرم میں یہ بدفعلی پاپ ہے۔ انھوں نے اپنے ۱۸/جون ۲۰۰۹ء کے خط میں مجھے لکھا 'ہمارے ملے جلے (Composite) کلچر کے تحفظ کے کاز میں سارے تعاون اور مدد کے لئے آپ مجھ پر انحصار کرسکتے ہیں، ہندوتوانظریہ رکھنے والے اگر ہندوستان کے کلچر او رتہذیب کو بی۔پی۔سنگھل جی کی طرح مختلف تمدنوں کا مجموعہ تسلیم کرلیں اور اس کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے ہم اپنے اپنے مذہب کی بنیاد پر جدوجہد کریں اور باہمی تعاون بھی رہے تو اس ملک سے بہت سی برائیوں کا، کرپشن کا، اور بداخلاقیوں کا خاتمہ کرکے ہم اس ملک کو تہذیب وتمدن اور اخلاق واقدار کا ایک عظیم ملک بناسکتے ہیں۔

❁❁❁

نفقۂ مطلقہ کا مسئلہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (سکریٹری بورڈ، حیدرآباد)

ایک دہائی سے زیادہ عرصہ سے ''نفقۂ مطلقہ'' کا مسئلہ بحث ونظر کا موضوع بنا ہوا ہے، ''شاہ بانو کیس'' نے پورے ملک میں جو ہلچل پیدا کی تھی اور اس مسئلہ کے پس منظر میں ''تحفظ شریعت'' کی تحریک نے جس طرح پورے ملک کے مسلمانوں کو بیدار کیا تھا اور احکام شریعت کو سمجھنے اور اس کی معاشرتی اہمیت کا مطالعہ کرنے کا جو شعور پیدا کیا تھا، وہ یقیناً مسلمانانِ ہند کی دینی اور ملی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، اسی کے نتیجہ میں ''تحفظ حقوق مسلم خواتین بل'' پاس ہوا، مسلمان توقع رکھتے تھے کہ یہ قانون اس مسئلہ میں مسلمانوں کی بے چینی اور اضطراب کا مداوا کرے گا؛ لیکن افسوس کہ اس سیدھے سادھے قانون کی ہماری بعض عدالتوں نے ایسی تشریح کی، جس نے اس قانون کے بنیادی مقصد ہی کو مجروح کر کے رکھ دیا اور ایسی تشریحات کی گئیں جو ''قانون کی تشریح'' سے آگے بڑھ کر ''قانون وضع'' کرنے کے دائرہ میں آتی ہیں، ملک کے مختلف ہائی کورٹوں نے اس قانون کی الگ الگ تشریحات کی ہیں، بعض عدالتوں نے عدت کے بعد مطلقہ کو نفقہ کا مستحق نہیں قرار دیا اور بعض عدالتیں مطلقہ کو عدت گذرنے کے بعد بھی نفقہ کا حق دار قرار دیتی ہیں، اس طرح کے فیصلوں نے یقیناً مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔

بعض بھولے بھالے اور قانون کی روح اور مضمرات سے ناواقف غیر مسلم بھائی تو کیا، مسلمان بھی مطلقہ کے لئے نفقہ کے حق کو ایک جائز اور انسانی حق باور کرتے ہیں؛ حالاں کہ نہ صرف اسلامی بلکہ عقلی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات ناقابل فہم ہے--- جہاں تک قانون شریعت کی بات ہے تو شریعت میں ایک شخص کا نفقہ دوسرے شخص پر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے واجب ہوتا ہے: قرابت، حبس، ملکیت، ماں باپ، بال بچے، بھائی بہن، دادا دادی اور بعض حالات میں دوسرے اعزہ اور رشتہ داروں کا نفقہ قرابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، قرابت کی بناء پر نفقہ واجب قرار دئے جانے کے سلسلہ میں دو اُصول بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، ایک یہ کہ قرابت کی بناء پر اس شخص کا نفقہ واجب ہوگا جو خود اپنی کفالت سے قاصر ہو، دوسرے اس شخص پر واجب ہوگا جو اتنا خوش حال ہو کہ اپنی ضروریات پوری کر کے اس شخص کی کفالت بھی کر سکتا ہو۔

''ملکیت'' کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہو، اس کا نفقہ اس پر واجب ہوگا، جب غلام اور باندی کا وجود تھا تو اسی بنیاد پر مالک پر غلام اور باندی کا نفقہ واجب قرار دیا جاتا تھا، اسی طرح اسلام جانوروں کا نفقہ ان کے مالک پر واجب قرار دیتا ہے، اگر کوئی شخص اپنے جانوروں کا چارہ فراہم نہ کر سکے تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر حلال جانور ہو تو یا تو ذبح کر کے کھالے یا فروخت کر دے اور حرام جانور ہو تو اسے بہر حال فروخت کر دے، اس کو بھوکا رکھ کر یوں ہی اپنی ملکیت میں رکھنا جائز نہیں اور دیانت واخلاق کے خلاف ہے۔

''حبس'' کے معنی ہیں روکے رکھنا، یعنی اگر ایک شخص دوسرے شخص کی وجہ سے محبوس ہو، پابندی کی حالت میں ہو اور معاشی سرگرمیاں اختیار نہیں کر سکتا ہو تو اس کا نفقہ اس شخص پر واجب ہوگا جس کی وجہ سے وہ پابندی اور حبس کی حالت میں ہے، ملازمین اور مزدوروں کی تنخواہ، گورنمنٹ اور آجرین پر کیوں واجب ہے؟ اسی لئے کہ وہ سرکار اور آجر کے لئے محبوس ہیں--- بیوی کا نفقہ شوہر پر اسی جہت سے واجب ہوتا ہے

، بیوی گھر کی دیکھ بھال، بال بچوں کی پرورش اور اُمور خانہ داری کے لئے گویا محبوس ہوتی ہے، اس لئے شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ واجب رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے جو نفقہ واجب ہوتا ہے، اس کے سلسلہ میں اُصول یہ ہے کہ محبوس و پابند شخص غریب و تنگ دست ہو یا معاشی اعتبار سے خوش حال وخود مکتفی اور اسی طرح وہ جس شخص کے لئے محبوس ہے، اس کی معاشی حالت اچھی ہو یا معمولی، بہرصورت نفقہ واجب ہوگا۔

جب ایک عورت اپنے شوہر سے مطلقہ ہو جاتی ہے، تو عدت گذرنے کے بعد وہ اپنے شوہر کے لئے محبوس نہیں، دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے معاشی سرگرمی بھی اختیار کرسکتی ہے، اس لئے ''حبس'' کی وجہ سے نفقہ واجب ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ طلاق واقع ہونے کے بعد اپنے سابق شوہر سے اس کی کوئی قرابت باقی نہیں رہی؛ کیوں کہ ازدواجی رشتہ خونی اور اٹوٹ رشتہ نہیں؛ بلکہ ایک ایسا رشتہ ہے جو زبان کے بول سے وجود میں آتا ہے اور زبان کے بول ہی سے ختم بھی ہوجاتا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ طلاق کے بعد میاں بیوی میں کوئی قرابت باقی نہیں رہتی--- جہاں تک ملکیت کی بات ہے تو اسلام کی نگاہ میں شوہر و بیوی نکاح کے دو فریق اور زندگی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں نہ کہ مالک اور مملوک، عورت کو بعض قوانین میں مرد کی ملکیت اور جائیداد تصور کیا جاتا تھا، اسلام نے اس تصور کو مٹایا، اور کہا کہ جیسے مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں، اسی طرح عورتوں کے مردوں پر: ''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ'' (البقرۃ:۲۲۸) اس طرح اسلامی قانون کے نقطۂ نظر سے طلاق اور عدت گذرنے کے بعد کوئی ایسی بنیاد باقی نہیں رہتی جس کی وجہ سے مرد پر اس عورت کا نفقہ واجب قرار دیا جائے۔

اصل یہ ہے کہ ہندو مذہب میں حقیقی تصور یہی ہے کہ بیوی شوہر کی ملکیت ہوتی ہے اور ایک عورت کو ہمیشہ اسی شوہر کے ساتھ بندھا رہنا ہے، وہ اپنے آپ کو اس کی قید نکاح سے آزاد نہیں کرسکتی، دراصل اسی تصور نے ''ستی'' کے رواج کو جنم دیا، کہ جب شوہر مرجائے تو عورت بھی اس کے ساتھ نذر آتش کردی جائے، پس؛ چوں کہ ہندو سماج میں عورت کے مطلقہ ہونے کا تصور نہیں، اس لئے مطلقہ سے متعلق احکام کا بھی وجود نہیں، اسی لئے برادرانِ وطن کے لئے یہ بات حیرت انگیز ہوسکتی ہے کہ کوئی عورت جب ایک بار نکاح میں آچکی ہو تو پھر وہ نکاح کی وجہ سے واجب ہونے والے نفقہ سے کیوں کر محروم ہوسکتی ہے؟ لیکن اسلام میں نکاح کا جو اعلیٰ تصور ہے اور اس نے عورت کو جو مقام عطا کیا ہے، اس کے پس منظر میں جب دیکھا جائے تو یہ بالکل معقول بات ہے کہ جب مرد و عورت کے درمیان ازدواجی رشتہ ہی باقی نہیں رہا تو اس کا نفقہ کیوں کر واجب ہوگا؟

خالص عقلی اور سماجی مصالح کے نقطۂ نظر سے بھی مرد پر مطلقہ کا نفقہ واجب قرار دینا نامناسب بات ہے، اگر مرد کو یہ معلوم ہوجائے کہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کی صورت میں اسے زندگی بھر نفقہ دیتے رہنا پڑے گا تو جو مرد اپنی بیوی سے نجات چاہتا ہو اس میں نفرت کے جذبات مزید بڑھیں گے، اس زندگی بھر کی سزا سے نجات پانے کے لئے وہ غیر قانونی راستے اختیار کرے گا اور بجائے طلاق دینے کے بیوی کی زندگی کے درپے ہوگا اور اس طرح کے واقعات پیش آئیں گے، جو روز ہمارے اخبارات کی سرخیاں بنتے ہیں، قانونی راستے کو اتنا مشکل، دشوار اور تکلیف دہ نہ بنانا چاہئے کہ لوگ غیر قانونی راستے اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

دوسرے: بدقماش اور بیمار ذہن عورتیں کوشش کریں گی کہ شوہر کو اس طرح دق کریں کہ وہ طلاق دینے پر مجبور ہو جائے اور پھر اپنی مفسدانہ حرکتوں میں مشغول رہیں گی، ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ ایک مطلقہ عورت اپنے آشنا کے ساتھ اعلانیہ عدالت میں آتی ہیں اور سابق شوہر سے نفقہ وصول کر کے لے جاتی ہے، گویا مرد ''جرم بے گناہی کی سزا'' پا رہا ہے اور عورت اپنی عیش کوشی کے لئے ''وظیفۂ حسن

خدمت'' حاصل کررہی ہے، کیا اسے سماجی انصاف کہا جاسکتا ہے؟ بلکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ بعض بدقماش عورتیں سابق شوہر سے نفقہ حاصل کرنے اور آتش انتقام ٹھنڈی کرنے کی غرض سے دوسرے نکاح سے احتراز کریں اور بے راہ روی کو ترجیح دیں۔

آخر ایک شخص کا نفقہ دوسرے پر واجب قرار دینے کے لئے کوئی بنیاد و اساس تو ہونی چاہئے، اگر اجیر اور آجر کے درمیان اجارہ ختم ہونے کے بعد ایک پر دوسرے کے واجبات عائد نہیں ہوتے، ملازمت ختم ہونے کے بعد ملازم تنخواہ کا مستحق نہیں ہوتا، تو یہ کونسی منطق ہے کہ ایک مرد وعورت کے درمیان نکاح کا رشتہ باقی نہیں رہا؛ لیکن مرد نفقہ ادا کرتا رہے؟ --- اور پھر کیا کوئی غیرت مند شریف عورت اس بات کو گوارا کرسکتی ہے کہ ایک اجنبی اور بے تعلق شخص کے لقموں پر اس کی پرورش ہو اور ایک ایسے شخص کے سہارے وہ زندگی گذارے جس نے اسے رد کر دیا ہے، اس لئے حقیقت یہ ہے کہ عقل اور سماجی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مطلقہ کا اس کے سابق شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہونا چاہئے۔

لیکن کیا اسلام نے ایسی عورتوں کو بے سہارا کر دیا ہے؟ ہرگز نہیں! --- اسلامی نقطۂ نظر سے نکاح کی وجہ سے عورت کا رشتہ اپنے خاندان سے منقطع نہیں ہوتا، اسی لئے وہ اپنے ماں باپ اور بعض اوقات بھائی اور چچا وغیرہ سے میراث کی حق دار ہوتی ہے، جب کوئی عورت مطلقہ ہو جائے تو اب اس کے والدین اور قریبی محرم رشتہ داروں پر حسب مراتب اس کا نفقہ واجب ہوتا ہے، اس سلسلہ میں اُصول یہ ہے کہ اگر اس خاتون کا انتقال ہو جائے تو جو لوگ شرعاً اس کے وارث ہوں گے، ان ہی اعزہ پر اس کا نفقہ واجب ہوگا، طلاق کے وقت مہر کی صورت میں اسے ایک خطیر رقم ملتی ہے، جسے وہ کاروبار میں شریک کر کے کچھ گذران حاصل کرسکتی ہے، اور اگر اس کی گود میں طلاق دینے والے شوہر کے بچے اور بچیاں ہیں تو بچوں کی عمر آٹھ سال ہونے تک اور لڑکیوں کی عمر بالغ ہونے تک ماں پرورش کی حق دار ہے، اس عرصہ میں وہ سابق شوہر سے اس کے بچوں کی پرورش کرنے کی اجرت وصول کرسکتی ہے، یہ نفقہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کی محنت کا معاوضہ ہے--- اس لئے ایسا نہیں ہے کہ اسلام نے ایسی عورت کو محروم اور بے آسرا رکھا ہو اور سب سے بڑا سرمایہ یہ ہے کہ اسلام نے نہ صرف دوسرے نکاح کی اجازت دی؛ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

لیکن قانون کے فوائد اور نقصانات کا تعلق بہت کچھ قانون پر عمل کرنے والوں کے صحیح اور غلط استعمال سے بھی ہے، مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مطلقہ عورتوں کے نکاح کو رواج دیں، ہندو معاشرہ کی طرح ایسی خواتین کو منحوس نہ سمجھیں، سارے مسئلہ کی اصل جڑ یہی ہے، عرب معاشرہ میں آج بھی مطلقہ کا کوئی مسئلہ نہیں اور طلاق کے واقعہ کو چنداں دشوار نہیں سمجھا جاتا؛ کیوں کہ وہاں طلاق شدہ عورتوں کا نکاح کوئی دشوار بات نہیں؛ بلکہ عدت گذرتے گذرتے پیام آنے شروع ہو جاتے ہیں، اسی لئے دونوں خاندانوں میں اس طرح کی تلخی بھی پیدا نہیں ہوتی، جو ہندوستان میں دیکھنے میں آتی ہے--- دوسرے: ہماری محبت اور حسن سلوک کا دائرہ اتنا سمٹ گیا ہے کہ ہم ''اپنے اور اپنے بچوں'' کے سوا کسی کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے، یہاں تک کہ بعض لوگ تو بوڑھے ماں باپ کو بھی بوجھ سمجھنے لگے ہیں، ان حالات میں مطلقہ عورتوں کے تئیں ذمہ داریوں کے احساس کی کیا خاک توقع رکھی جاسکتی ہے؟ اس لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ مسلم سماج میں اس احساس کو جگایا جائے اور لوگوں کے ضمیر کو جھنجھوڑا جائے کہ ایسی بے کس و بے آسرا عورتوں کی ضروریات کی کفالت بھی ہماری ذمہ داری ہے اور یہ احسان نہیں؛ بلکہ ایک حق کی ادائیگی ہے!

اگر ہم خود اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور اپنے فرائض کو ادا کرنے میں چوکس رہیں تو قانون شریعت پر نہ کوئی زبان کھل سکتی ہے اور نہ کوئی انگلی اُٹھ سکتی ہے!!

متبنیٰ بل اور اسلامی تعلیمات

مولانا عتیق احمد بستوی (رکن بورڈ، لکھنؤ)

متبنیٰ بل اور اسلامی تعلیمات

جب سے مہاراشٹر کی اسمبلی اور قانون ساز کونسل میں متبنیٰ بل منظور ہوا ہے، متبنیٰ کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کی معقولیت زیرِ بحث آ گئی ہے۔ بعض اسلام دشمن اہل قلم نے متبنیٰ بل کی آڑ میں پورے اسلام کو ہدف تنقید بنایا اور ناواقف قارئین کے دل میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی کہ اسلام اپنی سنگدلی اور بے رحمی کی وجہ سے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی مالدار بے اولاد شخص کسی مفلوک الحال، کثیر العیال کے کسی لڑکے یا لڑکی کو اس کی اجازت سے گود لے لے، اس کی کفالت اور پرورش کرے، اسے اپنی نسبی اولاد کی طرح لاڈ پیار سے رکھے۔ متبنیٰ کے بارے میں اسلامی قانون کا نام لے کر چونکہ اسلام پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس لئے اس سلسلے کے اسلامی قوانین اور اسلامی تعلیمات کی وضاحت از حد ضروری ہے۔

یتیم اور نادار بچوں کی کفالت

سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسلام یتیم اور بے سہارا بچوں کی کفالت اور پرورش سے منع نہیں کرتا بلکہ اس کی ترغیب دیتا ہے۔ جن بچوں کے ماں باپ دونوں فوت ہوگئے یا صرف باپ کا انتقال ہوگیا ماں زندہ ہے، اگر ان یتیم بچے بچیوں کو ماں باپ کی طرف سے اچھی مقدار میں ترکہ ملا ہو، ان کے والدین یا والد کافی مال چھوڑ کر فوت ہوئے ہوں تو ان یتیم بچوں کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ان کے مال کی پورے طور پر نگہداشت کی جائے، ان کی زمین، جائیداد، سرمایہ کو خرد برد ہونے سے بچایا جائے، مال کو جامد رکھنے کے بجائے اس طرح تجارت وغیرہ میں لگایا جائے کہ اس کے مال میں افزائش ہو اور ان کی پرورش ایسی شفقت و محبت سے کی جائے کہ انھیں ماں باپ کے سائے سے محرومی کا جانکاہ احساس نہ ستائے۔

قرآن پاک کی متعدد آیات میں یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کے اموال کی حفاظت، ان کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کی ہدایت کی گئی ہے، ظالمانہ طور پر یتیم کا مال کھانے کے بارے میں شدید ترین وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین و الاقربین و الیتمیٰ والمساکین و ابن السبیل و ما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم (بقرہ، آیت: ۲۱۵)۔

آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں، آپ کہہ دیجئے جو کچھ تمہیں مال خرچ کرنا ہے سو وہ حق ہے والدین کا اور عزیزوں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا۔ اور جو بھی نیکی کروگے اللہ کو اس کا پورا علم رہتا ہے۔

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتیٰ یبلغ اشدہ و اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا (اسراء: ۳۴)۔

اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر جس طرح کہ بہتر ہو، جب تک پہنچے وہ اپنی جوانی کو، اور پورا کرو عہد بیشک عہد کی پوچھ ہوگی۔

وآتوا الیتامیٰ اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تأکلوا اموالھم الیٰ اموالکم انہ کان حُوبا کبیراً (نساء: ۲)

اور یتیموں کو ان کا مال پہنچا دو اور پاکیزہ (چیز) کو گندی (چیز) سے مت تبدیل کرو اور ان کا مال نہ کھاؤ اپنے مال کے ساتھ بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

ان الذین یأکلون اموال الیتٰمیٰ ظلماً انما یأکلون فی بطونھم نارا و سیصلون سعیرا (نساء: ۱۰)

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھا لیتے ہیں وہ بس اپنے پیٹ

میں آگ ہی بھرتے ہیں اور عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہت سے فرامین میں یتیموں کی کفالت، ان کے ساتھ شفقت ورحمت کی تاکید فرمائی ہے:

عن سهل بن سعد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أنا و كافل اليتيم له و لغيره في الجنة هكذا و اشار بالسبابة والوسطىٰ و فرج بينهما شيئا (رواہ البخاری)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اور اپنے یا دوسرے یتیم کی کفالت کرنیوالا دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھا (بخاری)۔

عن ابي هريرة ؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يحسن اليه و شر بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يساء اليه (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم بچہ ہو جس کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کا سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم بچے کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔ (ابن ماجہ)

عن ابي امامة ؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مسح رأس يتيم لم يمسحه الا لله كان له بكل شعرة يمر عليها يده حسنات و من أحسن الىٰ يتيمه او يتيم عنده كنت انا و هو في الجنة كهاتين و قرن بين اصبعيه (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ابو امامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے یتیم بچے کے سر پر دست شفقت پھیرا، سر کے بال کے بدلے میں جس پر اس کا ہاتھ گذرے گا نیکیاں ملیں گی۔ جو شخص اپنے یتیم بچے یا اپنے زیرِ کفالت یتیم بچے کے ساتھ حسن سلوک کرے گا، میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے۔ پھر حضور اکرمؐ نے دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا۔ (مسند احمد، ترمذی)

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اٰوى يتيما الىٰ طعامه و شرابه اوجب الله له الجنة الا ان يعمل ذنباً لا يغفر (رواہ فی شرح السنۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے یہاں یتیم کے کھانے پینے کا نظم کیا، اللہ تعالیٰ نے یقیناً اس کے لئے جنت لازم کردی الّا یہ کہ کوئی ناقابلِ معافی گناہ کرلے۔ (رواہ فی شرح السنہ)

عن ابي هريرة ان رجلاً شكا الى النبي صلى الله عليه وسلم قسوة قلبه قال امسح رأس اليتيم واطعم المسكين۔ (رواہ احمد)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قساوت قلبی کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو، مسکین کو کھانا کھلاؤ۔ (مسند احمد)

یتیم اور نادار بچوں کے مسئلہ کا حل

گذشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اسلام یتیم بچوں اور بچیوں کی پرورش، کفالت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو ایک اہم عبادت اور ثواب قرار دیتا ہے، یتیموں کا مال ہڑپ کرنے اور ان پر ظلم وتعدی کرنے کی سخت ترین مذمت قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں آئی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کثیر العیال ہے نیز معاشی اعتبار سے کمزور اور مفلوک الحال ہے تو اس کے بچے کو اپنے گھر کا ایک فرد بنا کر اپنی اولاد کی طرح اس کی پرورش و پرداخت، تعلیم وتربیت اسلام کی نظر میں بہت افضل اور جنت میں داخل کرنے والا کام ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کی کثیر العیالی اور معاشی کمزوری کا خیال کرتے ہوئے ان کے صاحبزادے حضرت علیؓ کو اپنے گھر کا ایک فرد بنالیا، ان کی پرورش، کفالت اور اخراجات کا بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھاتے رہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بے اولاد تھیں انہیں دوسروں کے چھوٹے بچوں کی پرورش کا خاص ذوق تھا۔ چنانچہ ان کے بہت سے بھتیجے اور بھتیجیاں ان کے گھر پلے بڑھے۔

قبیلۂ انصار کی بعض بچیوں کو بھی حضرت عائشہؓ نے اپنے گھر کے بچوں کی طرح پالا اور اپنے ہی گھر سے ان بچیوں کی شادی بیاہ کا انتظام کیا۔

اسلامی تعلیم کے نتیجہ میں یتیم بچے اور بچیوں نیز معاشی طور پر کمزور لوگوں کی پرورش اور نگہداشت کا مسئلہ مسلم سماج میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ تلاش نہیں کرنا پڑتا تھا کہ فلاں یتیم بچے کی پرورش کون کرے بلکہ ایک سے زائد افراد یتیم بچے اور بچی کی پرورش کے آرزومند اور خواہشمند رہا کرتے تھے۔ یتیم اور نادار بچوں کے تکفل اور پرورش کا ذوق اتنا عام ہو چکا تھا کہ جو لوگ بھی معاشی لحاظ سے کچھ مضبوط تھے وہ کسی یتیم یا نادار بچے کو اپنے گھر کا ایک فرد بنانا اور گھر کے ایک بچے کی طرح اس کی پرورش، کفالت اور تعلیم و تربیت کا نظم کرنا اپنا دینی فریضہ تصور کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے دسترخوان پر کوئی نہ کوئی یتیم بچہ ضرور ہوتا تھا۔ یتیم بچے کو شریک دسترخوان بنائے بغیر وہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ الحمدللہ یتیم اور نادار بچے اور بچیوں کی کفالت اور پرورش کا یہ مزاج مسلمانوں میں اب بھی بڑی حد تک باقی ہے۔ یتیموں پر خرچ کرنا اس گئے گذرے دور میں بھی ایک اہم کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے اور مخیّر مسلمان یتیموں کی پرورش اور نگہداشت میں اپنی بساط بھر دل کھول کر حصہ لیتے ہیں۔

انسان جس یتیم یا نادار بچے کی کفالت کر رہا ہے اگر اس کے معاشی مستقبل کو محفوظ بنانے کے لئے اپنی زندگی میں اپنی زمین، جائیداد، دوکان، مکان کا کوئی حصہ اس کی ملکیت میں دینا چاہتا ہے تو اسے ایسا کرنے کا پورا اختیار ہے، اسی طرح اگر روپیہ یا سامان کی بڑی سے بڑی مقدار اسے دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اسی طرح اسلام اس کی بھی اجازت دیتا ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے ایک تہائی مال کی وصیت اس بچے کے حق میں کر دے۔

غریب پروری کے نام پر ورثا کی حق تلفی

لیکن اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ زندگی بھر اپنی ایک انچ زمین یا مکان کی ملکیت اس بچے کی طرف منتقل نہ کرے جسے اپنے گھر کا ایک فرد بنا کر اپنے بچے کی طرح اس کی پرورش کر رہا ہے بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کا چھوڑا ہوا ترکہ اس کے خاندانی ورثا کے بجائے اس گود لئے ہوئے بچے یا بچی کو ملے تو اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اگر اس سے کہا جاتا ہے کہ غریب نوازی کے جذبے کے تحت تم اس بچے یا بچی کو جو کچھ دینا چاہتے ہو اپنی زندگی اور صحت کے زمانے میں دیدو اپنی بیماری اور موت کا انتظار نہ کرو تو کہتا ہے کہ اگر میں زندگی ہی میں اسے کوئی معقول زمین، جائیداد یا خطیر رقم دیدی تو اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ اس کا پالا ہوا بچہ اس سے آنکھ پھیر لے اور اس کی فیملی کا ایک فرد بن کر نہ رہے۔ باپ کی طرح اس کا احترام ملحوظ نہ رکھے، غرضیکہ یہ شخص چاہتا ہے کہ زندگی بھر اس کا کمایا ہوا ہر پیسہ اس کی ملکیت اور کنٹرول میں رہے لیکن اس کی وفات کے بعد اس کا چھوڑا ہوا مال (جو اَب اس کا مال نہیں بلکہ اس کے خاندانی ورثہ کی ملکیت ہے) خاندانی ورثہ کو ملنے کے بجائے اس متبنیٰ کو ملے یا متبنیٰ اس کے ترکہ میں ایک بیٹے کی حیثیت سے حصّہ دار بنے، اسلام اس کی خودغرضی کو مسترد کرتا ہے اور جائز خاندانی ورثہ کو ان کا حق دلاتا ہے۔ ایسا شخص دراصل یتیم یا نادار بچے کی خیرخواہی کا جذبہ نہیں رکھتا بلکہ اسے اپنی دولت کی لالچ دلا کر تاحیات اسیر رکھنا چاہتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ اسلام اس بات کا ہرگز مخالف نہیں ہے کہ کسی یتیم بچے یا مفلوک الحال گھر کے کسی بچے کو اس کے والدین سے یا سرپرستوں کی اجازت سے کوئی مسلمان اپنے گھر کا ایک فرد بنالے اور اپنے بچوں کی طرح اس کی کفالت اور تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے، ایسا کرنا اسلام میں نہ صرف جائز بلکہ بہت بڑا کارِ خیر ہے جس کے نتیجہ میں جنت کے بلند درجات کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ہاں اسلام اس کا سخت مخالف ہے کہ کسی بچے یا بچی کی بے سہارگی، ناداری اور مفلوک الحالی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا رشتہ اس کے حقیقی والدین اور خاندان سے کاٹ دیا جائے۔ متبنیٰ بل پر فریب اور خوبصورت عنوان سے غریبوں اور ناداروں کے انسانی اور نسلی حقوق کا بدترین استحصال ہے، اس کا تجزیہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

متبنیٰ بل کا تجزیہ: لے پالک بل (متبنیٰ بل) کا مسودہ ۱۹۷۲ء میں راجیہ سبھا میں پیش کیا گیا اور ابھی حال میں مہاراشٹر اسمبلی نے جو متبنیٰ بل پاس کیا ان دونوں میں چند باتیں مشترک ہیں۔

۱- متبنیٰ بل کے تحت جس بچے کو گود لیا گیا اس کا رشتہ اپنے حقیقی

والدین اور اہل خاندان سے کٹ جاتا ہے۔ قانون کی نظر میں وہ بچہ اپنے حقیقی ماں باپ کا بچہ باقی نہیں رہتا، ان کے ترکہ میں میراث پانے کا حق دار نہیں رہتا بلکہ جس جوڑے نے اسے گود لیا ہے قانون کی نگاہ میں وہی اس کے ماں باپ قرار پائیں گے اور ان کے ترکہ میں اس گود لئے ہوئے بچہ یا بچی کو ایک حقیقی بیٹے یا بیٹی کی طرح میراث کا استحقاق ہوگا۔ اسی طرح اگر متبنیٰ بل کے تحت گود لیا ہوا لڑکا اگر جوان ہونے کے بعد اپنی ذہانت اور محنت سے معاشی لحاظ سے کافی ترقی کر لیتا ہے اور خوشحال ہو جاتا ہے پھر اتفاق سے جوانی ہی میں اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی کمائی ہوئی دولت کے حقدار اس کے حقیقی والدین اور حقیقی بھائی بہن نہیں ہوں گے بلکہ وہ شخص ہوگا جس نے اسے گود لیا ہے۔

۲- متبنیٰ بل کے مطابق گود لیا ہوا بچہ اپنے خاندان سے اس طرح کٹ جاتا ہے کہ قانوناً اس کے اوپر اپنے نادار اور معاشی طور پر مجبور والدین کی کفالت کی ذمہ داری نہیں آتی۔ متبنیٰ خواہ کتنا ہی مالدار ہو اور اس کے حقیقی ماں باپ خواہ کتنے ہی غریب ہوں، اس پر قانوناً اس کی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے غریب اور نادار ماں باپ کے لئے کچھ سہارا بنے اور ان کی معاشی مجبوریوں کا خیال کرتے ہوئے اپنی دولت کا کچھ حصّہ ان پر خرچ کرے۔ حالانکہ اس کی پرورش و پرداخت کا ابتدائی عمل جو انتہائی صبر آزما اور مشکل ہوتا ہے اس کے والدین نے ہی انجام دیا ہے۔

۳- اپنی اولاد سے والدین کو جس قدر محبت اور شیفتگی ہوتی ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ کسی شخص کے خواہ کتنی ہی اولاد پیدا ہو جائے معتدل حالات میں وہ اس پر راضی نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے کسی بچے یا بچی کو کلیۃً دوسرے شخص کو عطا کر دے اور اس کا قانونی اور نسلی رشتہ اپنے اور اپنے خاندان سے کاٹ دے۔ اپنی کوکھ سے پیدا ہونے والی اولاد کو ماں اپنے سے جدا کرنے پر معمولی معاشی تنگی کے وقت بھی راضی نہیں ہوتی۔ وہ فقر و فاقہ کے باوجود اپنے بچے کو اپنے سینے سے لگائے رکھنا چاہتی ہے۔ غریب ماں باپ کی تو ویسے یہ آمادگی اسی وقت ہوتی ہے جب مسلسل فقر و فاقہ اور تنگی و ترشی سے انکے حوصلے پست ہو جاتے ہیں اور وہ نان شبینہ کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں مالدار جوڑوں کی طرف سے جب لمبے معاوضے کی پیش کش آتی ہے اور فقر و فاقہ سے مجبور والدین کو جب سنہرے خواب دکھائے جاتے ہیں اور اس کے لئے مسلسل ذہن سازی کی جاتی ہے تو وہ کسی طرح اس پر آمادہ ہو جاتے ہیں کہ معقول رقم لے کر اپنے بچے یا بچی کو ہمیشہ کے لئے اپنے سے جدا کر دیں۔ ان کا یہ فیصلہ بھی حالات کے دباؤ کے تحت ہنگامی اور وقتی ہوتا ہے۔ ان کی اس آمادگی کا بہانہ تبنیت کا سہارا لے کر ان کی اولاد ان سے جدا کر لی جاتی ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ معاشی مجبوریوں کا دباؤ کم ہوتے ہی حقیقی ماں باپ اپنے اس لڑکے یا لڑکی کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں جنہیں انھوں نے متبنیٰ بل کے تحت کسی مالدار جوڑے کے حوالہ کیا تھا۔ پھر وہ چاہتے ہیں کہ اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر کو اپنے گھر کی رونق بنائیں اور اسے اپنے گھر لا کر اپنے فطری جذبۂ محبت کی تسکین کا سامان فراہم کریں لیکن قانون کے اعتبار سے وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ متبنیٰ بل کے تحت تبنیت کے رجسٹریشن نے ان بال و پر کاٹ بھی دیئے ہوتے ہیں۔ اب وہ اپنی حقیقی اولاد کو اپنے گھر کا ایک فرد شمار نہیں کر سکتے۔

۴- متبنیٰ بل کے تحت بسا اوقات بچے اور بچی کا مذہب بھی تبدیل ہو جاتا ہے اس لئے کہ متبنیٰ بل کے اعتبار سے گود لینے کے بارے میں مذہب کی کوئی پابندی نہیں۔ ایک ہندو ایک مسلمان یا عیسائی کے بچہ کو گود لے سکتا ہے۔ گود لئے جانے کے بعد بچہ اپنے حقیقی ماں باپ کے مذہب پر برقرار نہیں مانا جائے گا بلکہ گود لینے والا شخص جس مذہب پر عمل پیرا ہے متبنیٰ اسی مذہب کا ماننے والا شمار کیا جائے گا۔

چند اسلامی تصورات

متبنیٰ کے بارے میں اسلام کا موقف صحیح طور پر اسی وقت سمجھا جاسکتا ہے جبکہ اسلام کے چند اساسی افکار و تصورات ملحوظ رکھے جائیں۔

۱- انسان کے قبضہ و تصرف میں جو بھی مال یا جائیداد ہو انسان اس کا حقیقی مالک نہیں ہے۔ تمام چیزوں پر حقیقی ملکیت اللہ کی ہے۔ جس طرح انسان کی زندگی مستعار ہے اسی طرح اس کی ملکیت بھی مستعار ہے۔ انسان

نہ پیدا ہونے سے پہلے کسی چیز کا مالک تھا نہ مرنے کے بعد کسی چیز کا مالک رہے گا۔ زندگی بھر اسے اللہ کے دئے ہوئے مال میں تصرف کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کا حق تھا لیکن دنیا سے رخصت ہوتے ہی اپنے مال و جائیداد سے اس کی مجازی ملکیت بھی رخصت ہوجاتی ہے اور اس کے ترکہ پر ورثاء کی ملکیت قائم ہوجاتی ہے بلکہ انسان جوں ہی مرض الموت میں گرفتار ہوا اور صحت یابی سے تقریباً مایوس ہوگیا، مال و جائیداد سے اس کا رشتہ کمزور پڑ گیا اور اس کے مال سے ورثہ کا حق وابستہ ہوگیا اسی لئے مرض الموت میں گرفتار ہوتے ہی انسان کے مالی تصرفات پر مختلف پابندیاں عائد ہوجاتی ہیں تاکہ وہ اپنے تصرفات سے ان لوگوں کو نقصان نہ پہنچا سکے جس کا حق اس کے مال سے وابستہ ہو چکا ہے۔

ایک تہائی ترکہ کے بارے میں مرنے والے کی وصیت جاری اور نافذ کرنا بھی مراحم خسروانہ کے قبیل کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو آخری موقع دیا ہے کہ اگر وہ زندگی میں نیکی کے کاموں میں پیچھے رہ گیا ہے تو وصیت کے ذریعہ اس کی کچھ تلافی کرلے۔ خلاصہ ہے کہ مرنے کے بعد متروکہ مال میں مرنے والے کی مرضی نہیں چلے گی بلکہ اللہ کی مرضی اور ہدایت چلے گی، رشتۂ حیات منقطع ہوتے ہی اپنے مال سے انسان کا رشتہ اور کنٹرول ختم ہوجاتا ہے اور اللہ کے احکام کے مطابق زندہ افراد میں وہ مال تقسیم کردیا جاتا ہے۔

۲- یہ کارخانۂ عالم اللہ کی قدرت سے چل رہا ہے۔ اللہ ہی نے ساری کائنات کو اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے، وہی سب کو روزی دینے والا ہے۔ رزق میں تنگی اور وسعت، مرض اور صحت اسی کی جانب سے ہے۔ کس کو کب کتنی روزی دینی ہے اور کسے کس حال میں رکھنا ہے، کس کو اولاد دینی ہے اور کس کو اولاد نہیں دینی ہے۔ کس کو لڑکا دینا ہے اور کسی کو لڑکی دینی ہے اور کسے لڑکا اور لڑکی دونوں دینا ہے۔ یہ سب فیصلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، انسان کسی چیز کے لئے تگ و دو اور کوشش تو کرسکتا ہے لیکن اس کی کوشش کے باوجود اگر مطلوبہ چیز اس کو نہ مل سکی تو اللہ کے فیصلے پر راضی ہونے اور صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر انه کان بعباده خبیرا بصیرا (اسراء:۳۰)

بیشک تیرا رب کھول دیتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے، وہی ہے اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا۔

و اللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقهم علی ما ملکت ایمانهم فهم فیه سواء أفبنعمة الله یجحدون (نحل: ۷۱)

اور اللہ نے بڑائی دی تم میں سے ایک کو ایک پر روزی میں، سو جن کو بڑائی دی وہ نہیں پہنچا دیتے اپنی روزی ان کو جن کے مالک ان کے ہاتھ ہیں کہ وہ سب اس میں برابر ہوجائیں۔ کیا اللہ کی نعمت کے منکر ہیں۔

للہ ملک السمٰوات و الارض یخلق ما یشاء یهب لمن یشاء انثاً و یهب لمن یشاء الذکور او یزوجهم ذکرانا و اِنثا و یجعل من یشاء عقیماً انه علیم قدیر (شوریٰ:۴۹،۵۰)

اللہ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں، پیدا کرتا ہے جو چاہے، بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے یا ان کو دیتا ہے جوڑے بیٹے اور بیٹیاں، اور کردیتا ہے جس کو چاہے بانجھ، بیشک وہ ہے جاننے والا، قدرت والا۔

اولاد کی خواہش انسان کی ایک فطری خواہش ہے۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کی نسل چلے اور اس کا گھر بچوں سے آباد رہے۔ نکاح کا اہم ترین مقصد حصول اولاد بھی ہے، لیکن جب اللہ نے کسی شخص کے مقدر میں اولاد نہیں رکھی ہے، تمام جائز کوششوں کے باوجود اس کے یہاں اولاد کی پیدائش نہیں ہوئی تو اس کے لئے اللہ کے اس فیصلے پر راضی رہنے اور صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ مصنوعی طور پر صاحب اولاد بننے کی کوشش ایک عبث اور غیر فطری عمل ہے۔ جس کے نتائج عام طور پر اچھے نہیں نکلتے، اولاد سے محروم جوڑا اگر اپنے گھر کا سنّاٹا ختم کرنے اور گھر کو آباد کرنے کے لئے اپنے گھر میں کچھ بچوں کی پرورش کرنا چاہتا ہے تو اسے نہ صرف اس کی اجازت ہے بلکہ ترغیب بھی ہے۔ اپنے رشتہ داروں کے بچوں یا دوسرے یتیم، نادار بچوں کو خوشحال بے اولاد جوڑے اپنے گھر میں پال سکتے ہیں، ان

پر اپنے جذبات محبت نثار کر سکتے ہیں، لیکن اس کی ہرگز اجازت نہیں کہ کسی معصوم بچے کا رشتہ اس کے والدین سے کاٹ کر مصنوعی طور پر خود صاحب اولاد بن جائے۔ انسانی بچے آم کے پودے نہیں ہیں کہ انہیں ایک کھیت سے اکھاڑ کر دوسرے کھیت میں لگا دیا جائے۔

۳- انسانوں کے نسبی اور نسلی رشتے اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان رشتوں میں تبدیلی کا انسان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ انسان نہ ان رشتوں کو وجود میں لا سکتا ہے نہ انہیں ختم کر سکتا ہے۔ یہ نسبی اور نسلی رشتے نہ دو انسانوں کے باہمی معاہدے سے وجود میں آسکتے ہیں اور نہ دونوں کے ختم کرنے سے ختم ہو سکتے۔ ان رشتوں کا سر رشتہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر انسانوں کو ان میں حک و فک اور ترمیم و اضافہ کا اختیار دے دیا جائے تو ان رشتوں کا تقدس بری طرح پامال ہو جائے گا۔ ان میں بے ثباتی اور ناپائیداری پیدا ہو جائے گی، دنیا کا خاندانی نظام شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گا۔

اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی سخت مذمت کی ہے جو اپنا نسبی رشتہ اپنے حقیقی والدین اور خاندان کے بجائے دوسرے سے جوڑتے ہیں۔ نسب اور نسل کی دانستہ تبدیلی ایسا سخت گناہ قرار دیا گیا ہے جس پر آخرت میں سنگین سزاؤں کی دھمکی ہے۔

(۱) **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ادعىٰ الىٰ غير ابيه و هو يعلم فالجنة عليه حرام** (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص دانستہ اپنا نسب اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے جوڑتا ہے اس کے لئے جنت حرام ہے۔ (بخاری، مسلم)

(۲) **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ترغبوا عن آباء كم فمن رغب عن ابيه فقد كفر۔** (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اپنے باپ دادا سے اعراض نہ کرو، جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اس نے کفر کیا۔ (ناشکری اور ناسپاسی کی)

اسلام نے اپنے اسی بنیادی تصور کی بنا پر دورِ جاہلیت میں رائج لے پالک (متبنیٰ) کی رسم کو ختم کر دیا اور قرآن کریم نے صاف اعلان کر دیا کہ منہ بولا بیٹا حقوق و احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے، کسی شخص کے یہ کہنے سے کہ فلاں بچہ میرا بیٹا ہے وہ بچہ اس کا بیٹا نہیں ہو جاتا۔ ہر شخص کا بیٹا وہی ہے جو جائز رشتۂ نکاح کے ذریعہ اس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ماں کہہ دیا ہے تو اس کہنے سے اس کی بیوی ماں نہیں بن جاتی اس کی ماں تو وہی ہے جس کی کوکھ سے وہ پیدا ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

ماجعل الله لرجل من قلبين فى جوفه و ما جعل ازواجكم الّٰئى تظٰهرون منهن امهاتكم و ما جعل ادعياء كم ابناء كم ذالكم قولكم بأفواهكم و الله يقول الحق وهو يهدى السبيل ○ ادعوهم لأٰباء هم هو اقسط عند الله، فان لم تعلموا آباء هم فاخوانكم فى الدين و موا ليكم وليس عليكم جناح فيما اخطأتم به ولكن ما تعمدت قلوبكم و كان الله غفوراً رحيما○ (احزاب: ۵،۴)

اللہ نے نہیں رکھے کسی مرد کے دو دل اس کے اندر، اور نہیں کر دیا تمہاری بیویوں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو، سچی مائیں تمہاری، اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو بیٹے، یہ تمہاری بات ہے اپنے منہ کی، اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سجھاتا ہے راہ، پکارو لے پالکوں کو ان کی باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں، پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں، اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں چوک جاؤ لیکن وہ جو دل سے ارادہ کرو، اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

قرآن پاک نے پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ دور جاہلیت کی رسم تبنیت پر پابندی عائد کی، دوسری قوموں خصوصاً ہندوؤں میں گود لینے کی رسم اب بھی باقی ہے اور ہندو کوڈ بل میں قانونِ تبنیت کو شامل کر کے اس جاہلی رسم کو قانونی حیثیت دیدی گئی ہے۔ ایک زمانہ سے ہندوستان کے ارباب اقتدار کی مسلسل کوشش ہے کہ مسلمان بھی قرآن کی صریح ہدایات سے بغاوت کرتے ہوئے اس جاہلی رسم کو گلے لگا لیں۔ لیکن مسلمانان ہند اس کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ہیں، وہ اس پر راضی نہیں ہو سکتے کہ متبنیٰ بل کی آڑ میں اسلام کے تمام عائلی قوانین کو سبوتاژ کیا جائے۔ کیونکہ

اسلام کے اکثر عائلی قوانین (قانونِ وراثت، قانونِ ولایت، قانون حضانت، قانون نفقہ، قانون نکاح وطلاق وغیرہ) متبنیٰ بل سے مجروح اور متاثر ہوتے ہیں۔

قانونِ تبنیت کے حامیوں کے دلائل

دورحاضر میں قانونِ تبنیت کی وکالت کرنے والے خاص طور پر دو دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ گود لئے ہوئے بچے یا بچی کو قانونی بیٹا اور بیٹی کی حیثیت دینے سے ان جوڑوں کا مسئلہ حل ہوگا جو اولاد سے محروم ہیں یا جن کے اولاد نرینہ نہیں ہے، بلکہ لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں۔صاحبِ اولاد ہونے کی خواہش ایک فطری خواہش ہے۔اس فطری خواہش کی تسکین کے لئے اگر گود لئے ہوئے بچے کا مقام قانونی طور پر دے دیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔

دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ دَورِ حاضر میں دنیا کے تقریباً ہر ملک میں لاوارث بچوں یا یتیم و نادار بچوں کی تربیت اور کفالت کا مسئلہ ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے حکومتوں کو ملک کی آمدنی کا ایک بڑا حصّہ ایسے بے سہارا بچوں کی پرورش، تعلیم وتربیت پر صرف کرنا پڑتا ہے۔اس طرح ملک کے خزانہ پر بڑا بار پڑتا ہے۔قانون تبنیت نافذ اور جاری ہونے سے ایسے بے سہارا بچوں کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہوجائے گا۔اور حکومتوں پر کوئی معاشی بار پڑے بغیر بہتر طور پر ان بچوں کی کفالت اور تعلیم وتربیت ہوسکے گی۔

یہ دونوں دلیلیں بظاہر بہت پرکشش اور جاذبِ قلب ونظر محسوس ہوتی ہیں لیکن تجزیہ وتنقید کی ہلکی آنچ سے ان کی چمک دمک غائب ہوجاتی ہے۔

پہلی دلیل کا جائزہ

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ صاحبِ اولاد بننے کی خواہش یا نرینہ اولاد کی خواہش بلاشبہ ایک جائزہ اور فطری خواہش ہے۔نکاح کی مشروعیت کا ایک بڑا مقصد اسی فطری خواہش کی تسکین اور تکمیل ہے۔اس کے لئے انسان تمام جائز وسائل اختیار کرسکتا ہے۔شوہر یا بیوی میں اگر کوئی حیاتیاتی یا جسمانی نقص اولاد نہ ہونے کا سبب ہے تو اس کے ازالہ کے لئے اطبّاء اور میڈیکل سائنس کے ماہرین سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔لیکن تمام امکانی کوششوں کے باوجود اگر اولاد کی پیدائش نہیں ہورہی ہے یا صرف لڑکیاں پیدا ہورہی ہیں تو میاں بیوی کو سمجھنا چاہئے کہ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمت میں اولاد یا نرینہ اولاد نہیں رکھی ہے۔

ایسی صورت میں میاں بیوی کا مصنوعی طور پر صاحب اولاد بننے کی کوشش کرنا اللہ کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا اور اس کے خلاف بغاوت کرنا متصور ہوگا۔یہ ایسا ہی ہے کہ تمام جائز کوششوں کے باوجود جب کوئی شخص صاحبِ ثروت اور مالدار نہ ہوسکا تو وہ چوری اور رہزنی کرکے مالدار بن جائے۔انسان کی بہت سی جائز خواہشیں اس کی کوشش کے باوجود پوری نہیں ہوپاتیں۔ایسی صورت میں انسان کے لئے صبر ورضا کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔انسان جب ہر قیمت پر اپنی ہر خواہش کی تکمیل چاہتا ہے تو نظامِ عالم میں فساد پیدا ہوتا ہے۔خود اس کا اور دوسروں کا چین وسکون رخصت ہوجاتا ہے۔

انسانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے گہری حکمتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔خواہ ہم اس حکمت کا ادراک نہ کرسکیں۔اللہ تعالیٰ بندے کے لئے جو مناسب ہوتا ہے فیصلے کرتا ہے۔اسی اولاد ہی کے مسئلہ پر غور کیجئے۔اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔لیکن وہ ہر حال میں انسان کے لئے خیر وفلاح، سکون واطمینان کا باعث نہیں بنتی۔نالائق اولاد انسان کی دنیا وآخرت دونوں کو برباد کردیتی ہے، بہت سے لوگ اولاد کے مظالم اور ان کی ایذا رسانیوں سے اس قدر تنگ ہوجاتے ہیں کہ بے اولاد ہونے کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔بہت سے لوگ اولاد کی اندھی محبت میں اپنی آخرت تباہ کرلیتے ہیں، اولاد کے لئے مال ودولت کا اندوختہ کرنے کی غرض سے دوسروں کی زمین وجائیداد دبالیتے ہیں۔

جس شخص کے یہاں پوری کوشش کے باوجود اولاد نہ ہوسکی وہ مصنوعی طور پر صاحبِ اولاد بننے کی کوشش کرنے کے بجائے یہ سوچے کہ غالباً اولاد کا ہونا میرے لئے بہتر نہ تھا اس لئے میرے حکیم مولانا نے مجھے اولاد رکھنے کا فیصلہ فرمایا۔وہ ان لوگوں کو دیکھ کر تسلّی کرلے جن کے لئے اولاد سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔اس بات کا استحضار کرے کہ بہت سے انبیاء، اولیاء، سلاطین وامراء بھی بے اولاد رہے۔

قانون تبنیت کے مفاسد

لے پالک بچوں کو قانوناً نسبی اولاد کا درجہ دینا بہت سے مفاسد کا ذریعہ ہے، ظاہر ہے کہ کوئی جوڑا اپنے پیارے لڑکے یا لڑکی کو اپنے سے ہمیشہ کے لئے جدا کر کے کسی اجنبی جوڑے کے حوالہ اسی وقت کرتا ہے جب کہ اسے خطیر معاوضہ ملتا ہے یا اس بات کا لالچ ہوتا ہے کہ میرا بچہ دوسرے کی منہ بولی اولاد بن کر اس کے مرنے کے بعد زیادہ سرمایہ اور جائیداد کا مالک بن جائے گا۔ متبنیٰ کو قانونی شکل دینے کے بعد وہی لاولد جوڑے مصنوعی طور پر صاحبِ اولاد بن سکتے ہیں جو صاحبِ ثروت ہوں، معاشی طور پر مستحکم ہوں، اس طرح ان لاولد جوڑوں کا احساسِ محرومی بڑھ جاتا ہے جو معاشی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ نہ وہ متبنیٰ کی بھاری قیمت ادا کر سکتے ہیں نہ ان کے پاس لمبی جائیداد اور سرمایہ ہے کہ اس کا لالچ دلا کر دوسروں کے بچوں کو اسیرِ دام کر لیں۔

بچوں کی تجارت

دورِ حاضر میں لے پالک (متبنیٰ) کو قانونی شکل دینے کی وجہ سے بچوں کی خرید وفروخت کا سلسلہ قائم ہو گیا ہے، ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹ کھل گئے، مالدار ممالک کے بے اولاد جوڑے غریب ممالک سے تندرست اور توانا بچے خرید کر لے جاتے ہیں۔ اس پیشہ کی دلالی کرنے والوں کی بن آئی ہے، عالمی پیمانے پر بچوں کا کاروبار ہونے لگا ہے۔ انسانیت کی اس سے زیادہ گراوٹ کیا ہوگی کہ مرغی کے چوزوں کی طرح انسانی بچوں کی خرید وفروخت ہونے لگی ہے، بہت سی عورتوں نے یہ پیشہ اختیار کر لیا ہے کہ سالانہ بچے پیدا کر کے بڑی قیمت پر مالدار جوڑوں کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ اس سلسلے میں چند شرمناک خبریں عبرت کے لئے پڑھیے:

مولانا سلطان اصلاحی لکھتے ہیں:

بچوں کی درآمد نے یورپ میں بچوں کے مستقل کاروبار کی شکل اختیار کر لی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''سہ روزہ دعوت نئی دہلی، یکم دسمبر، جائزہ بعنوان ''متبنیٰ ہندوستانی بچے اور غیر ملکی سرپرست'' اٹلی کا ایک گارڈن ''انٹی مو'' بچوں کے اس طرح کے کاروبار کا سب سے بڑا اور مشہور مرکز ہے، جہاں خوبصورت، تندرست بچوں کی خرید وفروخت کے علاوہ خوبصورت، تندرست حاملہ عورتوں کو پیشگی رقم دے کر یہ معاہدہ بھی کیا جاتا ہے کہ مستقبل میں ہونے والا بچہ پیشگی رقم دینے والے کے سپرد کیا جائے گا۔ اٹلی کے گوشے گوشے سے بے اولاد والدین اس بازار میں اکٹھا ہوتے ہیں جہاں ایک بچہ کی نیلامی کی قیمت کم از کم پانچ لاکھ لیرا (ہندوستانی چالیس ہزار روپیہ) سے لیکر بارہ لاکھ لیرا (تقریباً ایک لاکھ روپیہ) تک ہوتی ہے، محتاط اندازے کے مطابق اس منڈی میں سالانہ کم از کم ۵۰۰ سو بچوں کی نیلامی ہوتی ہے۔ اٹلی میں یہ کاروبار اس قدر بڑھ گیا ہے کہ دولت کمانے کی لالچ میں کچھ عورتیں ہر سال حاملہ ہو رہی ہیں اور ہر سال ایک بچہ کو پیشگی بیچ رہی ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے دوسرے ممالک میں گود لینے کا رجحان بڑھ رہا ہے اس کے نتیجے میں بے اولاد جوڑوں کے جذبات جگا کر بیوپاری لوگ چاندی لوٹتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق گذشتہ سال صرف امریکا میں ۲۵۰ جوڑوں نے قانونی یا غیر قانونی طریقے سے بچوں کو گود لیا۔ ملاحظہ ہو پندرہ روزہ تعمیر حیات، ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۸ء رپورٹ بعنوان: ''مجھے جنم دینے سے پہلے بیچ دیا گیا''۔ تازہ اطلاعات کے مطابق طویل خانہ جنگی کا شکار لبنان بھی بے اولاد مغربی جوڑوں کے لئے اچھا مارکیٹ ثابت ہو رہا ہے۔ جہاں بچوں کو گود لینے کے نام پر لبنانی دلالوں اور جعلبازوں ڈاکٹروں وکیلوں کی سازش سے باقاعدہ ان کی تجارت ہو رہی ہے۔ گود لینے کا خواہش مند مغربی جوڑا مختلف شکل وشباہت کے اعتبار سے ایک لبنانی بچے کی پانچ ہزار سے پندرہ ہزار ڈالر تک قیمت ادا کرتا ہے۔ اس کاروبار میں صرف اس سال کے اوائل سے اب تک تقریباً چھ سو لبنانی بچوں کو غیر ملکیوں نے گود لیا جن میں سے کم سے کم پانچ سو غیر ملکی جوڑوں کو لبنانی دلالوں کے توسط سے غیر قانونی طور پر فروخت کر دئے گئے۔ بحوالہ قومی آواز نئی دہلی ۲۹ر اکتوبر ۱۹۸۹ء، خبر بعنوان: ''لبنان بے اولاد جوڑوں کا سُپر بازار'' مغربی ممالک میں اس مقصد سے ایشیا، لاطینی امریکہ اور مشرقی یورپ کے مختلف ملکوں سے بچوں کی درآمد اور خرید وفروخت کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مضمون ''مغربی ممالک میں بچوں کی درآمد کا رجحان'' تلخیص کردہ از جناب سید خورشید عالم، سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۱۶ر دسمبر ۱۹۹۱ء۔ (اسلام کا

نظریۂ جنس، مولانا سلطان اصلاحی، ص ۲۷۶، ۲۷۵ پہلا ایڈیشن ۱۹۹۴ء)

مختلف ممالک میں لے پالک کو قانونی حیثیت دینے سے بچوں کی خرید وفروخت کو فروغ ہوا۔ غریبوں کی غربت کا بدترین استحصال ہوا اور عموماً لے پالک بچے ان جوڑوں کے ساتھ ہم آہنگ اور منسجم نہ ہوسکے جنہوں نے ان بچوں کو گود لیا، لے پالک بچہ باشعور ہونے کے باوجود اپنے والدین اور خاندان سے جدائی اور محرومی کے احساس کی بنا پر اپنے کو اس طوطے کی طرح محسوس کرتا ہے جسے گلستان سے پکڑ کر سونے کے پنجرے میں بند کردیا گیا ہو، وہ کٹی پتنگ کی طرح ہوجاتا ہے۔ مصنوعی والدین کے لئے اکثر اس کے دل میں محبت کے بجائے نفرت وحقارت کے جذبات ہوتے ہیں، وہ اس انتظار میں رہتا ہے کہ یہ بناوٹی ماں باپ جلد از جلد رخصت ہوں تاکہ ان کا سرمایہ اور جائیداد اس کی ملکیت اور قبضہ میں آئے اور اپنے حقیقی والدین کے بارے میں اس کے دل میں خیال بیٹھ جاتا ہے کہ انہوں نے مجھے دوسروں کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔

قانونی طور پر گود لئے ہوئے بچے عموماً گود لینے والے جوڑوں کے احساسِ بے اولادی کا مداوا نہیں بن پاتے بلکہ ان کے مسائل ومصائب میں اضافہ کرتے ہیں، ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت سے محروم ہوکر وہ بچے نفسیاتی الجھنوں کے شکار ہوجاتے ہیں، ان کا چڑچڑا پن، غم وغصہ گھر کے ماحول کو کشیدہ اور سوگوار بنادیتا ہے۔

کیا قانونِ تبنیت بچوں کی مشکلات کا حل ہے

قانون تبنیت کی تائید میں پیش کردہ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قانونِ تبنیت لاوارث، یتیم اور نادار بچوں کے مسئلہ کا حل نہیں بلکہ ان کی لاچاری اور مجبوری کا بدترین استحصال ہے، اس قانون کی وجہ سے آم کے پودوں کی طرح انسانی بچے فروخت ہونے لگے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مغربی کلچر اور مغربی قوانین کے فروغ سے سب سے زیادہ بچوں کے حقوق ومفادات پامال ہوئے ہیں۔ ننھے منے بچّے ہمارے سماج کا سب سے کمزور عنصر ہیں، انھیں نہ اپنے حقوق کا شعور ہے نہ اس کے لئے وہ ایجی ٹیشن اور مظاہرے کرسکتے ہیں اس لئے دور حاضر کے انسانی قوانین میں ان کے حقوق کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے اسی سلسلے کی ایک کڑی قانونِ تبنیت بھی ہے۔

سوال یہ ہے کہ لاوارث بچوں کی تعداد روز بروز کیوں بڑھتی جارہی ہے۔ لاوارث بچے جن مرد عورتوں کی ہوس رانیوں کا ثمرہ ہیں وہ اتنے سفاک اور سنگدل کیوں ہوگئے کہ نوزائیدہ معصوم بچوں کو سنسان جگہوں پر چپکے سے چھوڑ کر کیوں چلے جاتے ہیں۔ مغربی تہذیب نے عریانیت، فحاشی، جنسی اباحیت کا ایسا مزاج پیدا کردیا ہے کہ مغرب زدہ نوجوان مرد اور عورتیں نکاح وازدواج کی پابندیوں سے گریزاں ہیں۔ جنسی عمل کے بعد اپنے نتیجہ و عمل کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ نئی نسل کی آمد کو روکنے یا انھیں فنا کے گھاٹ اتارنے کے لئے تمام طبی تجربات استعمال کئے جارہے ہیں۔ مانعِ حمل ادویہ کا کثرت سے رواج ہورہا ہے، ان کے پرچار کے لئے سارے ذرائع ابلاغ استعمال کئے جارہے ہیں۔ استقرار حمل ہونے کے بعد اسقاط کی وحشیانہ تدبیریں کی جاتی ہیں۔ ماں کی کوکھ میں پناہ لئے ہوئے بچے کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے اور اس کام کے لئے بڑی سے بڑی فیس دیکر ماہر ڈاکٹرس کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ اور جو بچے ان مراحل سے بچ بچا کر صحیح سالم رحمِ مادر سے باہر آجاتے ہیں انھیں کسی سنسان جگہ لاوارث بنا کر ڈال دیا جاتا ہے اور پھر ہمدردی جتا کر انھیں قانون تبنیت کی آڑ میں نیلام کی منڈی میں پیش کیا جاتا ہے، اس صورتِ حال کا اصل علاج یہ ہیکہ ان اسباب پر کنٹرول کیا جائے جن کے نتیجے میں لاوارث بچوں کی تعداد روز افزوں ہے۔

یتیم اور نادار بچوں کے مسئلہ کا حل بھی یہ نہیں ہے کہ انھیں ان کے گھر خاندان سے کاٹ کر ان کی یتیمی اور ناداری کا استحصال کیا جائے۔ بلکہ انھیں ان کے گھر اور خاندان کا فرد رکھتے ہوئے ان کی کفالت اور پرورش و پرداخت کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے تفصیلی احکام دئے ہیں اور یتیم ونادار بچوں کی کفالت اور پرورش کا ایسا نظام پیش کیا ہے کہ یہ بچے اپنے گھر اور خاندان میں رہتے ہوئے سماج میں باعزت مقام پاسکیں ان کی کفالت کا معقول انتظام ہوجائے۔

تبنیت کے موضوع پر اسلام کا موقف

مفتی وقار علی (دارالعلوم دیوبند)

تبنیت کا مفہوم

متبنیٰ (منھ بولے بیٹے) کو کہا جاتا ہے، اس کی اصطلاحی تعریف عرضی گذار مسز شبنم ہاشمی نے اپنی پیش کردہ رٹ (عرضداشت) بنام حکومت ہند (۱۱/اگست ۲۰۰۵ء) میں اس طرح کی ہے: یہ ایک خاندان کی تشکیل کا وسیلہ ہے جس میں ایک بچہ کو قانونی عمل کے ذریعہ گود لینے والے والدین کے حوالے کردیا جاتا ہے، اس قانونی عمل کے ذریعہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا گود لیا ہوا بچہ اسی خاندان میں پیدا ہوا تھا۔

متبنیٰ اسلام کی نظر میں

یہ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم تھی جس میں ایک آدمی دوسرے کے بیٹے کو اپنا متبنّٰی (منھ بولا) بنالیتا تھا، اور یہ لڑکا اسی کا بیٹا مشہور ہوجاتا تھا اور اسی کا بیٹا کہہ کر پکارا جاتا تھا، ان کے نزدیک یہ منھ بولا بیٹا تمام احکام میں اصلی اور صلبی بیٹے کی طرح مانا جاتا تھا۔ تبنیت کی یہی جاہلانہ رسم آج ہمارے ہندوستانی ہندوؤں کے یہاں ایک قانون کی حیثیت سے موجود ہے (ہندو متبنیٰ ایکٹ ۱۹۵۶ء) جس کے تحت ہندوؤں کے مختلف فرقوں (ہندو، بودھ، جین، سکھ) کو گود لینے کا حق حاصل ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے تبنیت ایک غلط رسم ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے قرآن وسنت کی صریح نصوص کی مخالفت لازم آتی ہے، اور اسلام کا قانون وراثت، قانونِ ولایت اور قانونِ نکاح وغیرہ جیسے اہم قوانین متاثر ہوتے ہیں، اس لئے قرآن نے تبنیت کی اس رسم کو ختم کرتے ہوئے فرمایا: **ما جعل ادعیائکم ابنائکم ذالکم قولکم بأفواهكم، والله يقول الحق وهو يهدى السبيل، أدعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله فان لم تعلموا آبائهم فإخوانكم فى الدين و مواليكم** (احزاب)

''لے پالک (منھ بولا) تمہارے بیٹے نہیں ہیں ان کو بیٹا کہنا تمہارے منھ کی ایک بات ہے، اور اللہ تو سچی بات ہی کہتا ہے اور وہی راستہ کی ہدایت کرتا ہے، لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کرکے پکارو کہ اللہ کے یہاں یہی پکّا انصاف ہے، اور اگر تم ان کے آباء کو نہیں جانتے تو وہ لے پالک دین میں تمہارے بھائی اور رفیق ہیں۔'' (احزاب)

یہ آیت کریمہ کسی بچہ کو گود لینے کی رسم کی صراحۃً مخالفت کرتی ہے اور مصنوعی رشتوں کو حقیقی سمجھنے سے روکتی ہے، کیوں کہ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ بیوی کو ماں کہنے سے وہ ماں نہیں بن جاتی کہ حقیقی ماں تو وہی ہے جس نے اس کو جنا ہے، اسی طرح کسی غیر کے بچے کو اپنا بیٹا مان لینے سے وہ حقیقی اور صلبی بیٹا نہیں بن جائے گا، حتیٰ کہ اگر کسی متبنیٰ کا باپ معلوم نہ ہو تو اس کے لئے کسی مصنوعی باپ کو تلاش کرنے سے روکا گیا ہے، اور جس نے متبنیٰ لیا ہے اس کی طرف بھی انتساب سے منع کیا گیا ہے کہ اس میں تہمت اور الزام ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام نے ایسے بے سہارا بچوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں دکھائی ہے اور انہیں بے یارومددگار چھوڑ دیا ہے بلکہ ان کے تئیں جذبۂ انسانی کو بیدار کرنے اور ان پر دست شفقت اور نگاہِ کرم رکھنے ہی کی خاطر ایسے بچوں کو ''دینی بھائی'' قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان دوستی اور رفاقت کا رشتہ ہے جس کا صاف مطلب ہے ایسے بچوں کی دیکھ بھال ضرور کرنی چاہئے، بہرحال مذکورہ آیت سے واضح ہے کہ تبنیت (متبنیٰ بنانا) اسلامی نقطۂ نگاہ سے بالکل غلط ہے، اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ تبنیت

کے نتیجے میں اسلام کے قانونِ وراثت کا پورا ڈھانچہ منہدم ہوجاتا ہے۔

مسئلہ تبنیت اور قانون وراثت

اسلام نے وراثت کا مستقل قانون بنا دیا ہے اور وارثین کے حصّے متعین کردئے ہیں، اب اگر کوئی شخص کسی کو متبنّٰی بناتا ہے تو اس کے نتیجہ میں دوسرے وارثین کے حقوق پامال ہوتے ہیں اور مصنوعی اولاد خونی رشتوں کے ذریعہ ملنے والی میراث میں رکاوٹ بن جاتی ہے، اور زندگی میں کوئی ایسی راہ اختیار کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے جُرم ہے جس کے نتیجے میں اس شخص کے انتقال کے بعد وارثین اپنے حقوق سے محروم ہوجائیں۔ تبنیت کی وجہ سے اسلامی قانون وارثت کس طرح متاثر ہوتا ہے اس کی چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

- اگر کسی ایسے شخص کا انتقال ہوجائے جس کا کوئی بچہ نہیں اور اس کے والدین زندہ ہیں تو اس کے ترکہ میں والدین کا حصہ ہے، اور ماں کا حصہ تہائی ہے قرآن نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:
  فان لم یکن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث (النساء)
- یا مرنے والی عورت ہے اس کی کوئی اولاد نہیں تو بھائی اس کا وارث ہوگا، **وهو یرثها ان لم یکن لها ولد** (النساء)
- اسی طرح کسی مرنے والے کو بچہ نہ ہو تو بیوی کا حصہ چوتھائی ہوگا، **وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مما تَرَكْتُمْ انْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ** (النساء)

مذکورہ آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ مرنے والے کی اگر کوئی اولاد نہیں ہے تو ماں، بھائی اور بیوی کا حصہ کیا ہوگا، اب اگر متبنی کو حقیقی اور صلبی بیٹے کی حیثیت دیدی جائے تو ماں، بھائی، بیوی اسی طرح دوسرے وارثین کے حصے کم یا ختم ہوجائیں گے کیوں کہ اولاد کی موجودگی میں ان حقداروں کو اسلامی قانون وارثت کے مطابق کم حصہ ملا کرتا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ قانون تبنیت پر عمل کے نتیجے میں مذکورہ آیات کی صرح مخالفت ہوگی اور حقداروں کی حق تلفی ہوگی جو مسلمانوں کو کسی طرح برداشت نہیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تبنیت کا یہ عمل گو کہ فرد کا انفرادی عمل ہوگا، جسے کوئی شخص اپنے اختیار سے استعمال کر کے بچہ کو گود لے گا سو کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اس شخص (گود لینے والے) کا اپنی دولت کے ساتھ نجی معاملہ ہے، تو ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اسلام نے متروکہ مال کا پورا ضابطہ متعین کردیا ہے، اور مرنے والے کو اپنے مال کے صرف ایک تہائی میں وصیت کا اختیار دیا ہے، اگر وہ اس سے زیادہ کی وصیت کرتا ہے تو یہ وصیت دوسروں کے ساتھ زیادتی ہوگی جیسے اسلام نے قبول نہیں کیا۔

مسئلہ تبنیت اور قانونِ نکاح

تبنیت کا یہ مسودہ اسلام کے قانون نکاح کو بھی متاثر کرتا ہے، اسلام نے ان عورتوں کی فہرست بنادی ہے جن سے نکاح حرام ہے، اس فہرست کے سوا تمام عورتوں سے نکاح درست قرار دیا گیا ہے، اب متبنیٰ کو حقیقی اولاد مان لینے کی صورت میں ان رشتوں سے نکاح حرام ہوجائے گا جن رشتوں سے حقیقی اولاد کے لئے رشتۂ نکاح ممنوع تھا، مثلاً کسی شخص نے اجنبی بچہ کو گود لیا، اس شخص کو اگر کوئی بچی ہے تو اس قانون تبنیت کی بناء پر اس بچی سے اس بچے کا نکاح نہیں ہوسکے گا جب کہ اسلامی قانون کے مطابق ان دونوں میں رشتۂ نکاح قائم کرنا بالکل درست ہے، الغرض یہ مسودہ (متبنیٰ بل) قانون اسلام کے مختلف صریح قوانین وضوابط سے ٹکراتا ہے اور مسلم پرسنل لاء کے ایک اہم حصہ کو پورے طور پر مجروح کرتا ہے، ساتھ ہی یہ مسودہ قانون ملک میں پھیلے ہوئے بے شمار نادار، خبر گیری سے محروم قابل رحم بچوں کے لئے کوئی سہارا نہیں بن سکتا۔ (متبنیٰ بل ۱۹۷۲ء ایک جائزہ)

پیش کردہ رٹ (استغاثہ) کا مقصد، تجزیہ اور تجربہ

دستور ہند کی شق نمبر ۳۲ کے تحت مسز شبنم ہاشمی نے سپریم کورٹ کو جو رِٹ (عرضداشت) پیش کی ہے اس کے مطالعہ اور جائزہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا مقصد اس استغاثہ سے یہ ہے کہ ملک میں جو بچے

نادار، بے سہارا، اور خبر گیری سے محروم ہیں ان کے لئے مناسب گھر اور خاندان کے نظم کی راہ نکل سکے، اور اس کے لئے انہوں نے حکومت و عدالت سے یہ استدعا کی ہے کہ وہ تبنیت (گود لینے) سے متعلق ایسا قانون وضع کرے جس کے تحت بلا تفریق مذہب کسی بھی مذہب یا جنس کے بچے کو گود لینے کا حق حاصل ہو۔ مسز شبنم ہاشمی کا یہ استغاثہ گو کہ مفاد عامّہ اور خیر خواہی کے جذبے پر مبنی ہے اور ان کے نقطۂ نگاہ سے صحیح ہے لیکن یہ جائزہ لینا ہوگا کہ کیا اس طرح کے قوانین ملک بھر میں پھیلے ہوئے ان گنت قابل رحم بچوں کے مسئلہ کا حل بن سکیں گے، ماضی کے تجربات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو بچے (ہندوستانی ایکٹ کے مطابق) گود لئے گئے ان کو کچھ تو قانونی تحفظات ضرور حاصل ہو گئے مگر خبر گیری سے محروم بچوں کی حفاظت و کفالت کے تناسب میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ اس کا احساس خود عرضی گذار مسز شبنم ہاشمی کو بھی ہے چنانچہ وہ لکھتی ہیں: ''ہندوستان میں جو بچے ہر سال گود لئے جاتے ہیں ان کی تخمینی تعداد بڑی حقیر یعنی ۳؍ہزار ہے جب کہ جو گود لئے جانے کے مستحق ہیں لاکھوں کی تعداد میں ہیں، یہ اندازہ لگایا گیا ہے ہمارے یہاں یتیم بچوں کی تعداد 12.5 ملین (ایک کروڑ پچیس لاکھ) ہے''۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یتیموں کی اتنی بڑی تعداد جو کفالت و خبر گیری سے محروم ہیں یہ کون ہیں اور کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس ملک میں ہندوؤں کی اکثریت ہے لہٰذا ان بچوں میں اکثریت بھی ہندوؤں کے بچوں کی ہوگی، اور ہندوؤں میں قانون تبنیت بہت پہلے ۱۹۵۶ء سے قائم ہے، سو اگر اس قانون تبنیت ہی کی وجہ سے نادار و بے سہارا بچوں کے گھر و خاندان کا نظم ہو جایا کرتا تو اب تک ملک میں کم از کم ہندو یتیم بچہ بے سہارا اور بے یار و مددگار نہ رہنا چاہئے تھا، جب کہ تجربات و مشاہدات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ اس متبنیٰ ایکٹ سے پہلے اور بعد بچوں کے گود لینے کی تعداد میں کوئی قابل لحاظ تبدیلی نہیں آئی۔ اور جب یہ قانون (تبنیت) ایک مخصوص طبقے (ہندو) کے بچوں میں کوئی بہتری نہ لا سکا تو بھلا کس بنیاد پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہی قانون بلا تفریق مذہب جب ہر طبقے کے لئے عام کر دیا جائے گا تو نادار و قابل رحم بچوں کے درد کا مداوا بن جائے گا؟۔

اسلام کا نظام کفالت

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ خونی رشتوں پر مشتمل خاندان میں بچوں کی کفالت جن بنیادوں پر ہو سکتی ہے وہ مصنوعی رشتوں کی راہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں اس کا اعتراف خود عرضی گذار (شبنم ہاشمی) کو بھی ہے جیسا کہ وہ اپنی پیش کردہ عرضداشت میں لکھتی ہیں: ''بچہ کا یہ حق ہے کہ وہ محبت کرے اور اس سے محبت کی جائے، اور وہ ایک اخلاقی اور مادّی اقدار کی حامل سوسائٹی میں صحیح ڈھنگ سے نشو و نما پائے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب بچہ اپنے خاندان میں پرورش پائے۔ سب سے بہتر ہم آہنگی کا ماحول وہ ہوگا جس میں بچہ اپنے حقیقی والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔''

بنا بریں بچوں کی پرورش کی اولین حقدار ماں ہے اس لئے کہ ماں میں شفقت و محبت بھر پور ہے پھر نانی، پھر دادی، پھر بہن، پھر خالہ، پھر پھوپھی وغیرہ کو ترتیب وار یہ حقوق حاصل ہیں: بدائع میں ہے: **فأحق النساء من ذوات الرحم المحرم بالحضانة الأمُّ، لأنه أقرب منها، ثم امُّ الام ثم اُم الاب ثم الأخوات ثم الخالة ثم العمات** ...(بدائع زکریا ۳؍۴۵۷) یعنی اقرب کی موجودگی میں ابعد کو کفالت کا حق نہیں، اس لئے کہ حضانت کی بنیاد ہی شفقت و ترحم پر ہے لہٰذا جس میں قرابت و شفقت زیادہ ہوگی، پہلے اس کو یہ حق حاصل ہوگا، ہاں اگر اقرب موجود نہ ہو یا کسی بنا پر اس کا حق حضانت ساقط ہو چکا ہو، تو اب یہ حق (ابعد) اس کے بعد والے کو منتقل ہو جائے گا۔ **مبنی الحضانة على الشفقة والرحم المحرم هي المختصة بالشفقة ثم يتقدم فيها الأقرب فالأقرب** (المصدر السابق)

کفالت کی مذکورہ ترتیب میں قرب و بعد کی جو تفصیل ہے اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بچوں کی پرورش پیار و محبت بھرے ماحول میں

ہو، انہیں کسی لمحہ یہ احساس نہ ہو کہ ہم اپنے حقیقی والدین کے آغوش شفقت سے محروم ہیں، جب زیرِ کفالت بچہ کی عمر سات سال ہوجائے اور وہ اس قابل ہوجائے کہ تنہا کھا پی سکے اور کپڑے از خود پہن سکے اور بچی ۹/سال کی ہوجائے یعنی بلوغت کی عمر کو پہونچ جائے تو اب باپ یا دادا کا فریضہ ہے کہ ان کی اچھی تعلیم وتربیت اور شادی بیاہ کا انتظام کرے۔

"و الحاضنة أمّاً أو غيرها أحق به أي بالغلام حتىٰ يستغني عن النساء بأن يأكل و يشرب و يستنجي وحده، و قدّر بسبع و به يفتىٰ... والأم والجدة أحق بها اي بالصّغيرة حتى تحيض اى تبلغ فى ظاهر الرواية" (درمختار مع ردالمحتار، زکریا، دیوبند ۲۶۷/۵)

مدت حضانت پوری ہونے کے بعد زیر کفالت بچہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی باپ کے حوالہ کردیا جائے گا اور باپ نہ ہو تو ولی یا وصی کی سرپرستی میں دیدیا جائے گا، اور کوئی نہ ہو تو حاضنۃ (پرورش کرنے والی عورت) ہی کے پاس چھوڑ دیا جائے گا، ہاں اگر قاضی مناسب سمجھے تو کسی دوسری عورت کے یہاں بھی اس کا انتظام کرسکتا ہے۔

واذا استغنىٰ الغلام عن الخدمة أجبر الأب أو الوصي أو الولي على أخذه، لأنه أقدر على تأديبه و تعليمه... اِذا انتهت الحضانة ولم يوجد له عصبة ولا وصي، فالظاهر انه يترک عند الحاضنة الا أن يرىٰ القاضي غيرها أولىٰ (شامی زکریا ۲۶۸/۵)

اسلامی نظام کفالت کا یہ بھی ضابطہ ہے کہ آدمی کے اپنی ذات کا نفقہ خود اپنے مال سے واجب ہو خواہ بالغ ہو یا نابالغ، چنانچہ ہدایہ میں ہے: "فالأصل أن نفقة الانِسانِ فى مال نفسهٖ صَغيراً كان أو كبيراً" (۴۴۵/۲)

البتہ اپنی ذات کے علاوہ دوسرے کا نفقہ انسان پر اس وقت واجب ہوتا ہے جب تین اسباب میں سے کوئی سبب پایا جائے (۱) زوجیت (۲) قرابت (۳) ملکیت، "ونفقة الغير يجب على الغير بِأسباب ثلثة: زوجية و قرابة و ملک" (درمختار مع الشامی ۲۷۸/۵، زکریا دیوبند)

لہٰذا اگر زیرِ کفالت بچوں کے پاس اپنا مال موجود ہے تو ان کی پرورش وغیرہ کا خرچ خود ان کے مال سے پورا کیا جائے گا، اور اگر ان کے پاس مال نہیں ہے تو نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا، "انما تجب النفقة على الأب اذا لم يكن للصغير مال" (ہدایہ ۴۴۵/۲)

ہاں اگر باپ بھی تنگدست وفقیر ہو اور ماں مالدار ہو تو بچوں کا نفقہ ماں پر ہے یعنی ماں سے کہا جائے کہ بچوں پر بطور قرض خرچ کرو اور جب باپ خوشحال ہوجائے گا تو اس وقت وہ اپنا قرض وصول کرلے گی، "وفى المنية، أب معسر و أم موسرة تؤمر بالاتفاق و يكون ديناً على الأب" درمختار مع الشامی زکریا ۳۳۹/۵)

اور اگر باپ نہ ہو یا کمانے سے عاجز ہو، بہر دو صورت بچوں کا نفقہ دادا کے ذمہ ہے: و هٰذا اذا لم يكن الاب زمناً عاجزاً عن الكسب و الا قضى بالنفقة على الجد اتفاقاً لأن نفقة الأب حينئذ واجبة على الجد، فكذا نفقة الصغار (درمختار زکریا ۳۳۸/۵)

حاصل یہ ہے کہ حق حضانت کی طرح وجوبِ نفقہ میں بھی قریب اور بعید کی ترتیب ہے یعنی ولی اقرب کی موجودگی میں ابعد پر نفقہ واجب نہیں، ہاں! مگر یہ کہ ولی اقرب اپاہج ہو، کمانے سے عاجز ہو، تنگدست وفقیر ہو تو اب ولی ابعد کے ذمہ نفقہ ہے۔

ادھر ملک میں بچوں کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو نادار و بے سہارا ہے دنیا میں ان کا کوئی نہیں، وہ یتیم ولاوارث ہیں، وہ والدین و دیگر رشتہ داروں کی شفقت ومحبت سے بالکلیہ محروم ہیں، ان کی کفالت و پرورش کا مسئلہ بھی نہایت اہم ہے، اسلام نے یتیموں کی خبر گیری اور ان کی کفالت پر بڑا زور دیا ہے، اور اس پر بڑے فضائل اور بشارتیں سنائی ہیں،

ان کے مال کی حفاظت کا ضابطہ بھی بیان فرمایا ہے تا کہ ان بچوں کے اولیاء یا اوصیاء شوق و رغبت سے ان کی کفالت کریں اور ان کے مال میں کسی بھی قسم کی خیانت سے احتراز کریں، اسلام ایسے نادار اور یتیم بچوں کے مسئلہ کو بیت المال، یتیم خانوں اور خاندان کے ذریعہ حل کرنا چاہتا ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کا معاشرتی ڈھانچہ ایسا نہیں ہے جس میں یتیموں اور ناداروں کو بے چارگی کی حالت میں بے سہارا چھوڑ دیا جاتا ہے، غربت کے عام حالات کے باوجود جس میں مسلم معاشرہ سانس لے رہا ہے کوئی نادار بچہ بے توجہی کی حالت میں نہیں چھوڑا جاتا مسلمانوں کے بہت سے مشہور ادارے ان کی پرورش کے لئے موجود ہیں اور پھر مناسب جہیز کے ساتھ ان کی شادی کرا دیتے ہیں۔

اسلام کے اس مکمل، مستحکم اور مرتب نظامِ کفالت کی موجودگی میں جس کی رو سے ہر نادار و بے سہارا بچہ کو خاندان و معاشرہ کا ایک لازمی جز تصور کیا جاتا ہو، کسی اور قانون کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لہٰذا حکومت و عدالت سے استدعا ہے کہ وہ مسلمانوں کے پرسنل مسائل میں مداخلت کئے بغیر جو چاہے قانون وضع کرے۔

اسلام کا عائلی نظام

رحمت و شفقت، الفت و محبت، کفالت و حضانت، امداد و اعانت، ہمدردی و غم خواری، صلہ رحمی اور حقوق کی ادائیگی یہ وہ خصوصیات ہیں جن کے مجموعے سے اسلام کا عائلی اور مثالی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

اسلام کے عائلی نظام کی بنیاد خدا ترسی اور انسان دوستی پر ہے، وہ خونی رشتوں اور نسبی تعلقات کو نہ صرف تقدس و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے بلکہ حد درجہ ان تعلقات کو قائم و استوار رکھنے کی تاکید کرتا ہے اور قطع رحم سے روکتا ہے، ایک حدیث میں محسن انسانیت حضرت نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**الرحم معلقہ بالعرش تقول من وصلنی وصلہ اللہ و من قطعنی قطعہ اللہ**" رحم عرش سے معلق ہے وہ کہتا ہے: جو مجھے جوڑے گا اللہ اسے جوڑے گا اور جو مجھے کاٹے گا خدا اسے کاٹے گا" (بخاری و مسلم)۔

صلۂ رحمی کی تاکید و فضیلت اپنے اہلِ قرابت اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور صلۂ رحمی کی روایت اسلام میں ایسی دور رس اور شریفانہ ہے کہ جس سے خاندان و معاشرہ میں اخوت و محبت کی فضاء ہموار ہوتی ہے، کنبے کے افراد میں خود غرضی و مفاد پرستی کے بجائے ایثار و ہمدردی پیدا ہوتی ہے، اور معاشرے کی بکھری ہوئی اکائیاں ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتی ہیں، پھر خاندان کا کوئی فرد اپنے کو بے سہارا تصور نہیں کرتا، اور مسلمان کی باہمی محبت و رحمت کی مثال اس جسم کی ہو جاتی ہے جس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم اس کے لئے بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے، **مثل المؤمنین فی توادھم و تراحمھم و تعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعیٰ لہ سائر الجسد بالسھر و الحمیّ** (بخاری و مسلم)۔

صلہ رحمی اور اقرباء پروری کی کتاب و سنت میں بڑی تاکید آئی ہے: قرآن کریم میں فرمایا گیا: "**وبالوالدین احسانا و بذی القربی**۔ والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔ (النساء ۳۶) اہل قرابت کے ساتھ مودت و محبت کی اہمیت ہی کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا گیا: "**قل لآ أسئلکم علیہ أجراً الّا المَوَدَّۃَ فی القُربیٰ**"۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اس کارِ نبوت پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے رشتہ داری کے محبت کے" (شوریٰ:۲۳)۔ انسان کو فطری طور پر مال سے محبت ہوتی ہے، اور یہ محبت بسا اوقات ایسی راسخ ہوتی ہے کہ آدمی مال و دولت کی ہوس میں قرابت داروں کی قرابت اور ان کے حقوق کی بھی پرواہ نہیں کرتا، قرآن نے ان کے حقوق کی پامالی پر کڑی پابندی عائد کی: "**واتقوا اللہ الذی تَسَاءلُون بہ والارحام**" (نساء) اور یہ حکم فرمایا: "پس قرابت داروں کو ان کا حق دیا کرو۔

تعمیر انسانیت کی اہم بنیادیں

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی (رکن بورڈ، پٹنہ)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا، اسے اشرف المخلوقات بنایا، مزاجاً اور طبعاً سماجی جاندار کا رنگ وروپ بخشا، ان امور کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کی طرح زندگی نہ گذارے، اس کے اعمال، افعال، اخلاق دوسروں سے اس قدر ممتاز ہوں کہ آدمی کو انسان کہا جا سکے، وہ نہ صرف خود انسان رہے، بلکہ دوسروں کو بھی انسان بنانے کی جد وجہد میں شامل ہو، اور تعمیر انسانیت کا کام پوری زندگی کرتا رہے، اس پر حیوانیت اور درندگی کا دورہ کبھی نہ پڑے۔

تعمیر کا یہ کام جوڑ کا کام ہے، اور جوڑنے کے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں، دیوار جتنی اونچی کھڑی کرنی ہو، بنیاد اتنی ہی مضبوط ہونی چاہئے؛ جس طرح کمزور بنیادوں پر محل کھڑے نہیں کئے جا سکتے، ویسے ہی تعمیر انسانیت کا کام خود ساختہ بنیادوں پر نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس اہم کام کے لئے بنیادیں فراہم کیں، ان بنیادوں پر اگر ہم نے تعمیر انسانیت کا کام شروع کیا تو انسانیت کی فلک بوس عمارت کھڑی ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ ہم سب خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، کہیں کے رہنے والے ہوں، کسی برادری اور علاقے سے تعلق رکھتے ہوں، زبان کوئی سی بھی بولتے ہوں، سب ایک آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے، اس طرح ہم سب ایک نسل اور ایک خاندان کے ہیں، جس کا ایک سرا اس دنیا کے سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام سے ملتا ہے، کسی بنیاد پر کوئی بڑا اور چھوٹا نہیں ہے، خاندان، قبائل اور برادریاں آپسی تعارف کے لئے ہیں، نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے، نہ عربی ہونا قابل فخر ہے اور نہ عجمی ہونا ذلت کا سبب، جو جتنا اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ کے نزدیک وہی قابل اکرام واحترام ہے، اس طرح دیکھیں تو ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کا ہمدرد وغم گسار ہونا چاہئے، مصیبت کے وقت مدد کے لئے آگے آنا چاہئے، دکھ درد میں شریک رہنا چاہئے، یہ کام تمام مذاہب جماعتوں اور گروہوں کی طرف سے ہونا چاہئے۔ ہماری بدقسمتی سے ایسا ہو نہیں پا رہا ہے، آج صورت حال ہے کہ ہم اپنے علاوہ دوسروں کو بھائی سمجھتے ہیں اور دوسرے ہمیں چارہ، اسرار جامعی نے مزاحیہ انداز میں اس کا نقشہ کھینچا ہے ؎

بھائی چارے کا مطلب ہر گز یہ نہ ہونا چاہئے
ہم تو انہیں بھائی سمجھیں اور وہ چارہ ہمیں

حالانکہ بھائی کا دوسرے بھائی کو تکلیف پہونچانا انتہائی قابل مذمت کام ہے، اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے انسان محفوظ رہے، اللہ تعالیٰ نے کسی ایک انسان کے ناحق قتل کرنے کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا اور ایک انسان کی حفاظت کو پوری انسانیت کی حفاظت کے مترادف قرار دیا، اتنے بڑے پیمانے پر انسانی بنیادوں پر امن وسکون کا فارمولہ دوسرے مذاہب میں دیکھنے کو نہیں ملتا۔

تعمیر انسانیت کی دوسری اہم بنیاد یہ ہے کہ کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، کیونکہ اس کی وجہ سے منافرت پھیلتی ہے اور بغض وعداوت کا بازار گرم ہوتا ہے، حالانکہ ایسا ممکن ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ مذاق اڑانے والے سے بہتر ہو، فرمایا: کوئی عورت دوسری عورت کا کبھی مذاق نہ اڑائے؛ اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ دوسری عورت ہی اللہ کے نزدیک بہتر اور

پسندیدہ ہو، مذاق اڑانے ہی کی ایک شکل دوسروں پر آوازیں کسنا، کرید کرید کر عیب نکالنا اور برے القاب سے ایک دوسرے کو موسوم کرنا ہے، شریعت نے اسے بھی ناپسندیدہ عمل قرار دیا، تاکہ لوگوں کے دل نہ ٹوٹیں اور فتنہ وفساد کی آگ سے انسانیت خاکستر نہ ہو۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہا گیا کہ دوسرے مذاہب والے اللہ کے علاوہ جن معبودوں کی پرستش کرتے ہیں، ان معبودان باطل کو بھی برا بھلا نہ کہو، اس لئے کہ وہ جواباً تمہارے خدا کو برا بھلا کہیں گے اور آپس میں معاملہ جنگ وجدال تک پہونچ جائے گا۔ منافرت کا بازار گرم ہوگا، بزرگان دین، اولیاء کرام اور علماء دین نے اس پر اس قدر عمل کیا کہ ان کی خانقاہوں میں مسلم اور غیر مسلم سبھی کا رجوع عام ہونے لگا، کہتے ہیں کہ ایک بار خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں کسی نے قینچی پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ فقیر جوڑنے کے لئے آیا ہے، مجھے تو سوئی دھاگا دو تاکہ میں پھٹے ہوئے دلوں کی بخیہ گری کا کام انجام دے سکوں، فقیر کے یہاں قینچی کا کیا مصرف ہے؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک بار ایک بڑھیا حلوا لے کر آئی اور کہا کہ بیٹا یہ میں خاص کر تیرے لئے بنا کر لائی ہوں اور بغیر کھلائے نہیں جاؤں گی، آپ نے حلوا نوش فرمایا، بڑھیا کے جانے کے بعد لوگوں نے کہا کہ آپ کا روزہ تھا، فرمایا: نفلی روزہ تھا، یاد رکھو روزے کی قضا تو ہوسکتی ہے، لیکن دل ٹوٹنے کی کوئی قضا نہیں ہے، میں نہیں کھاتا تو بڑھیا کا دل ٹوٹ جاتا، اس قدر دوسروں کی دل جوئی کا خیال رکھا جائے تو قصر انسانیت کے فلک بوس ہونے میں کتنی دیر لگے گی؟

تعمیر انسانیت کی تیسری بنیاد حقوق کی طلب اور فرائض کی ادائیگی میں اعتدال اور توازن کا قیام ہے، آج صورت حال یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے حقیقی اور فرضی حقوق کے حصول کے لئے بے چین ہے، احتجاج، جلوس، مظاہرے، ہڑتال اور چکہ جام کا چلن اس قدر عام ہوگیا ہے کہ لوگ سخت پریشانی میں مبتلا ہیں، ہر گروہ، ہر پارٹی اور مزدوروں کی یونینیں یہ سب حقوق کے حصول کے نام پر کر رہی ہیں، بعض دفعہ خودکشی اور خودسوزی کے واقعات بھی سامنے آتے ہیں، جس سے انسانیت شرمسار ہوتی ہے۔ اب ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ آپ نے اپنے فرائض کی ادائیگی کا کتنا خیال رکھا، کیا آپ وقت پر دفتر جاتے ہیں؟ پورے وقت کام کرتے ہیں؟ دفتر کے اوقات میں دوسری مصروفیات میں وقت تو نہیں لگاتے؟ دفتر کا وقت ختم ہوتا ہے تب گھر کے لئے نکلتے ہیں؟ تو جواب نفی میں آئے گا، فرائض کے معاملہ میں تو حال یہ ہے کہ ''بارہ بجے لیٹ نہیں اور تین بجے کے بعد بھینٹ نہیں'' آ بھی گئے تو بہت سارا وقت غیر ضروری کاموں میں لگا دیا، گپیں لڑانے سے فرصت نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے حقوق کے حصول کی جنگ لڑ رہا ہے اور اپنے فرائض سے غافل ہے، اس طرح تعمیر انسانیت کا کام نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالی نے سماج کا جو نظام بنایا ہے، اس میں حقوق وفرائض کا چولی دامن کا ساتھ رکھا ہے ایک کے تئیں حساسیت اور دوسرے سے غفلت کے ساتھ یہ نظام چل ہی نہیں سکتا، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جہاں ہر ایک کے حقوق متعین کئے، وہیں فرائض کی طرف بھی توجہ دلائی، حقوق چھین کر لئے جائیں کا نعرہ دینے والوں کو حقوق کی ادائیگی پر ابھارا اور حکم دیا کہ قرابت داروں، مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو، ترکہ کی تقسیم، تجہیز وتکفین، ادائیگی وصیت اور قرض کے بعد فوراً کردو، غربا کو کھیتی کٹنے کے دن ان کا حق دیدو، اور مزدوروں کی اجرت پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کرو، مانگنے والوں کو مت جھڑکو اور اگر ان کو کچھ نہیں دے سکتے تو بہتر انداز میں معذرت کرلو، جو تم سے ٹوٹ رہے ہیں، ان کو جوڑو اور جس نے ظلم کیا اسے معاف کردو۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے پیارا انسان وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچاتا ہے۔

تعمیر انسانیت کی اور بھی بنیادیں ڈھونڈھی جاسکتی ہیں؛ لیکن ان تین امور کی حیثیت سنگ بنیاد کی ہے ان کا خیال رکھ لیا جائے تو پوری دنیا سے فساد وبگاڑ کا ماحول ختم ہوگا، دلوں کی دوریاں قربت میں بدلیں گی۔ آج ضرورت ہے کہ سب مل کر اس اہم کام میں لگ جائیں، تاکہ یہ دنیا انسانوں کے رہنے کے قابل ہوسکے۔

سودی لین دین مسلم سماج کے لئے ناسور

مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی (رکن بورڈ، مالیگاؤں)

قرآن پاک اور حدیث شریف میں جن گناہوں پر سخت وعید آئی ہے اور جنہیں ہلاکت و بربادی اور دنیا و آخرت کی ذلت ورسوائی کا سبب قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک بڑا گناہ سودی لین دین ہے۔ یہ ایسا سخت گناہ ہے کہ انسان کو ایمان سے دور اور کفر سے قریب کر دیتا ہے اور کمزور انسان کو طاقتور پروردگار کے مقابلے میں کھڑا کر دیتا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۸، ۲۷۹ میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سودی معاملات باقی رہ گئے ہیں انہیں چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو، پھر اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کا اعلان کر دو۔ قرآن پاک کا ایک ادنی طالب علم بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ کسی بڑے سے بڑے گناہ کے سلسلے میں بھی قرآن مجید میں ایسے سخت الفاظ استعمال نہیں کئے گئے جو سودی لین دین کے سلسلے میں مذکورہ بالا آیات میں ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ حدیث شریف میں بھی اس گناہ کی قباحت کو سخت سے سخت تر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ طبرانی کی روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سود کا ایک درہم اللہ کی نگاہ میں تینتیس مرتبہ بدکاری کرنے سے زیادہ سخت گناہ ہے اور یہ بدکاری بھی وہ جو بحالت اسلام کی گئی ہو۔'' ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے: ''سود کے بہتّر درجے ہیں جن میں سے سب سے ادنی درجہ اپنی ماں سے بدکاری کرنے کی مانند ہے اور سب سے زیادہ بُرا سود اپنے بھائی کی عزت سے کھلواڑ کرنا ہے۔''

سودی لین دین کرنے والوں اور سود کے کسی بھی معاملے میں ملوث ہونے والوں کے لئے دنیا و آخرت کی سخت سے سخت سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ اور ایسا اس لئے ہے تاکہ ان سزاؤں کا ڈر اپنے اندر پیدا کر کے اہل ایمان اپنے آپ کو اس بڑے گناہ سے بچائیں۔ سود پر جو دنیاوی سزائیں قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

قحط کا عذاب: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف الفاظ میں یہ حقیقت ارشاد فرمائی کہ جس بستی اور جماعت میں سودی لین دین عام ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اس پر قحط کا عذاب مسلط فرمائیں گے۔ قحط کا مطلب بارش رک جانا بھی ہوسکتا ہے اور بارش کی اتنی کثرت بھی کہ فصلیں تباہ و برباد ہو جائیں اور غلّے اور اناج کی کمی ہو جائے یا بارش تو اعتدال کے ساتھ ہو لیکن کچھ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں جن کی بنیاد پر اناج مہنگا ہو اور انسانوں کی قوتِ خرید سے باہر ہو جائے۔ حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے: ''جس قوم میں بھی سودی لین دین عام ہوتا ہے انہیں قحط کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے اور جہاں رشوت کا چلن ہو جاتا ہے انہیں دشمنوں کے رعب کے ذریعے عذاب دیا جاتا ہے۔''
(الترغیب والترہیب، ج:۳، ص:۷)

لعنت: حدیث شریف میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی کہ سودی کاروبار کرنے والوں اور کسی بھی درجے میں سودی لین دین میں مبتلا ہونے والوں پر اللہ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت سے دور ہو جانا ہے۔ اہل ایمان اللہ کی رحمت کے سہارے ہی جیتے ہیں۔ جب خدا کی رحمت کا ہاتھ اٹھا لیا گیا تو ہر قسم کی پریشانی اور مصیبت کا سامنا انہیں کرنا پڑے گا۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایک تو اللہ کی لعنت (پھٹکار) سودی کاروبار کرنے والوں پر ہے اور پھر یہ بھی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے لعنت کے الفاظ کہلوائے گئے ہیں جس سے لعنت میں بہت زیادہ شدت پیدا ہوگئی ہے۔ روایت میں ہے کہ: ''اللہ کے رسول ﷺ کی لعنت ہے سود کھانے والے، سود کھلانے والے پر، سود لکھنے

والے پر اور سودی معاملے میں گواہی دینے والے پر۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔ (مسلم شریف ،ج:۳،ص:۱۲۱۹) اسی طرح مسند احمد کی روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ کی لعنت ہے سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر ،سود کی گواہی دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے پر۔ جس قوم میں بھی سود اور زنا کا گناہ عام ہوتا ہے وہاں کے رہنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوتا ہے۔'' (مسند احمد، ج:۱،ص:۴۰۲)

تباہی و بربادی :قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔'' (سورہ بقرہ:۲۷۶) حدیث شریف میں اس کی وضاحت یوں فرمائی گئی کہ ''سود چاہے کتنا زیادہ کیوں نہ ہو اس کا انجام کمی ہے۔'' (مسند احمد، ج۱،ص:۴۲۴) آیت و روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سودی لین دین کرنے والے اگر بظاہر ترقی کرتے ہوئے نظر آئیں اور ان کا کاروبار پھلتا پھولتا دکھائی دے تو اس دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے کہ سودی لین دین کی بنیاد پر انہیں ترقی ہو رہی ہے اور ان کا کاروبار بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے، وقتی طور پر کسی چیز کا ترقی پذیر ہونا ہرگز اس بات کی علامت نہیں ہے کہ وہ چیز ہمیشہ پھلتی پھولتی رہے گی اور کبھی اسے زوال اور فنا کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ جس چیز کے مٹانے کا فیصلہ اللہ پاک نے فرمایا ہے اور حدیث شریف میں اس کا انجام نقصان، خسارہ اور فنا ہو جانا بتایا گیا ہے وہ مٹ کر اور ختم ہو کر رہے گی چاہے کچھ دنوں تک اسے پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے۔ عالمی معیشت (جس کا انحصار زیادہ سے زیادہ سودی نظام پر ہے) جس طرح ایک عرصے تک ترقی کرنے اور پھلنے پھولنے کے بعد زوال کا شکار ہوئی اور جو کچھ حالات آج ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہم تک پہنچ رہے ہیں انہیں پڑھنے کے بعد کلام پاک اور حدیث شریف کی بیان کی ہوئی ان باتوں کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

عذابِ الٰھی :سودی لین دین ایسا مہلک گناہ ہے جس پر کئی قسم کے سخت ترین عذاب کی وعید حدیث شریف میں ملتی ہے ان میں خسف (زمین میں دھنسا دیا جانا) قذف (آسمان سے پتھروں کی بارش ہونا) اور سخت ترین آندھی کا عذاب شامل ہے۔ حدیث شریف میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے: ''میری امت کا ایک طبقہ خوب کھا پی کر اور موج مستی کر کے رات کو سوئے گا پھر جب صبح وہ بیدار ہونگے تو ان کی شکلیں بندروں اور خنزیروں کی ہوں گی اور ان پر ضرور خسف (زمین میں دھنسا دیا جانا) اور قذف (آسمان سے پتھروں کی بارش ہونا) کا عذاب آ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ جب لوگ صبح بیدار ہوں گے تو کہیں گے آج رات فلاں قبیلے کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور آج فلاں آدمی کے مکان کو زمین میں دھنسا دیا گیا اور ان پر ضرور آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی جائے گی جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر یہ عذاب آیا تھا، ان کے قبیلوں پر ان کے گھروں پر، اور ان (میری امت کے ایک طبقے) پر ضرور وہ سخت آندھی بھیجی جائے گی۔ جس نے قوم عاد کو ان کے قبیلوں اور گھروں سمیت تباہ و برباد کر دیا تھا۔'' (یہ سخت عذاب ان پر ان گناہوں کی وجہ سے بھیجے جائیں گے) (۱) شراب پینا (۲) ریشمی لباس پہننا (۳) گانے بجانے کے آلات اختیار کرنا (۴) سودی لین دین کرنا (۵) رشتے داری کو ختم کرنا۔ (الترغیب والترہیب، ج:۳،ص:۸،۹)

قوم لوط اور قوم عاد پر آنے والے جس عذاب کا حوالہ مذکورہ بالا حدیث میں دیا گیا ہے اسے قرآن مجید کی سورہ ہود، سورہ قمر، سورہ حاقہ وغیرہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سودی لین دین پر آخرت میں جو سزا ملے گی اس کا تذکرہ قرآن پاک کی ایک آیت اور ایک حدیث شریف میں کیا گیا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ میں ارشاد فرمایا گیا: ''جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے آسیب زدہ دیوانہ شخص کھڑا ہوتا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ ''جو کوئی سود کھائے گا قیامت کے دن دیوانہ اٹھایا جائے گا۔ پھر آپ نے بطور دلیل قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔'' آخرت کی دوسری سزا ''حدیث معراج'' میں بیان کی گئی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''(معراج کے سفر میں)

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں

(مختصر رپورٹ)

مرتب: وقارالدین لطیفی

● ۲۴؍نومبر ۲۰۱۳ء کو صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بورڈ کے عہدیداران اور بورڈ کی کمیٹیوں کے کنوینروں کی ایک مشاورتی نشست دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بلائی جس کے بعد ۲۷؍نومبر ۲۰۱۳ء کو بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری و ترجمان جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب کی طرف سے حسب ذیل صحافتی بیان جاری کیا گیا:

''صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک مشاورتی اجلاس منعقد کیا جس میں پرسنل لا بورڈ کے عہدیداران اور کمیٹیوں کے کنوینرس مدعو تھے اور اجلاس میں کمیٹیوں کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا۔ اس مشاورتی اجلاس کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری و ترجمان جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے اپنے ایک صحافتی بیان میں فرمایا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس اجلاس میں بے قصور مسلم نوجوانوں کی محض شبہ کی بنیاد پر گرفتاری و ایذا رسانی کے لئے حکومتوں اور پولس کے رویہ کی سخت مذمت کی اور اس بات کو ملک کے جمہوری کردار اور عدل و انصاف کی قدروں کی پامالی قرار دیا کہ ملک کی کئی ریاستوں میں مسلم نوجوان برسوں سے جیلوں میں قید ہیں جن کے خلاف نہ کوئی معتبر شہادت ہے اور نہ ہی چارج شیٹ داخل کی گئی ہے۔ اجلاس نے مطالبہ کیا کہ ایسے تمام مسلمانوں کو فی الفور رہا کیا جائے اور جن کے خلاف چارج شیٹ زیر تیاری ہے مزید تاخیر کئے بغیر چارج شیٹ داخل کر کے مقدمات کا جلد از جلد فیصلہ کروایا جائے۔ یہ احساس بھی پایا جاتا ہے کہ کئی مقدمات میں ماخوذ مسلمانوں کو بے قصور قرار دے کر عدالتوں سے چھوڑ دیئے جانے اور پولس کو بے قصوروں کو ملزم بنانے کے سنگین جرم کا قصوروار قرار دیئے جانے کے باوجود آج تک حکومت کی طرف سے ایسے انٹلی جنس اور پولس عہدیداروں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی گئی ہے جس کی وجہ سے آر۔ایس۔ایس کے نظریات سے متاثر ان عہدیداروں کی سازشیں برابر جاری ہیں اور ان کو جب یہ یقین ہوتا ہے کہ جن کو انہوں نے ملزم قرار دیا ہے وہ بے گناہ ہیں تو چارج شیٹ داخل ہی نہیں کرتے تاکہ بے قصور لانبے عرصے تک جیلوں میں بند رہیں۔ کل ہی ممبئی میں پاکستانیوں کی جانب سے دہشت گرد حملوں کو یاد کیا گیا جس میں دیانت دار پولس آفیسر ہیمنت کرکرے کا قتل ہوا جس نے مالیگاؤں دھماکوں کے پیچھے آر۔ایس۔ایس کی سازش کا پتہ چلایا تھا اس تعلق سے قابل ذکر بات یہ ہے کہ ممبئی کے سابق ایڈیشنل ڈائرکٹر جنرل پولس کے عہدہ کے حامل مسٹر مشرف نے ہیمنت کرکرے کے قتل کے تعلق سے خود پولس پر اور مرکزی انٹلی جنس ادارے پر انگلی اٹھائی ہے کہ ہیمنت کرکرے کو دہشت گردوں نے نہیں بلکہ موقعہ پاکر انٹلی جنس بیورو کے اشارے پر پولس ہی نے گولی کا نشانہ بنایا تاکہ ہیمنت کرکرے نہ زندہ رہے اور نہ ہندوتوا دہشت گردی کے خوفناک اور بھیانک چہرے پر پڑا ہوا نقاب اٹھے اور ملک کے عوام ان کی وطن دشمنی اور تشدد بندی کو دیکھ سکیں۔ اگر مالیگاؤں کے کیس میں ہیمنت کرکرے کی تفتیش کے بعد ان پولس آفیسر کے خلاف کارروائی کی جاتی جنہوں نے مسلم نوجوانوں کو ملزم بنایا تھا اور اسی طرح دوسرے کیسوں

میں بے قصوروں کے عدالتوں سے چھوٹ جانے کے بعد پولس عہدیداروں کے خلاف کارروائی ہوتی تو ان متعصب اور فرقہ پرست پولس عہدیداروں اور پولس ایجنسیوں کی ہمت شکنی ہوتی۔ اسی لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، اجین میں منعقدہ اجلاس عام سے یہ مطالبہ کرتی آرہی ہے کہ ایسے پولس و انٹلی جنس عہدیداروں کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔ یہ بہت ضروری اور وقت کا تقاضہ ہے''۔

● ۲۲/۲۳/فروری ۲۰۱۴ء کو بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس جلگاؤں میں صدر بورڈ محترم کے مشورہ کے بعد طے کیا گیا ہے، ارکان اور مدعوئین کی خدمت میں اجلاس کا دعوت نامہ و ایجنڈا روانہ کیا جاچکا ہے اجلاس عاملہ کا ایجنڈا حسب ذیل ہے:۔

۱۔ تلاوت کلام پاک

۲۔ تجاویز تعزیت

۳۔ سابقہ کارروائی کی توثیق

۴۔ نفقہ مطلقہ اور طلاق کے سلسلہ میں تحکیم کی شرط سے متعلق مجوزہ ترمیمات پر سب کمیٹی کی رپورٹ کا جائزہ

۵۔ منظور شدہ وقف بل میں جو خامیاں رہ گئی ہیں انہیں اور انسداد فرقہ وارانہ تشدد بل کو پارلیامنٹ سے منظور کرانے کے تدابیر پر غور

۶۔ دارالقضاء کے نظام کے لئے مجوزہ دستور العمل کا جائزہ

۷۔ اجلاس بورڈ اور عاملہ کے فیصلوں کو روبہ عمل لانے کے لئے مؤثر تدابیر اور لائحہ عمل پر غور

۸۔ بورڈ کی مختلف کمیٹیوں کی رپورٹ اور ان کی تجاویز پر غور۔ (الف) اصلاح معاشرہ و آئینی حقوق بچاؤ تحریک (ب) دارالقضاء کمیٹی (ج) تفہیم شریعت کمیٹی (د) قانونی کمیٹی (ہ) مجموعہ قوانین اسلامی سے متعلق کمیٹی

۹۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ارکان بورڈ کو متحرک اور فعال بنانے پر غور

۱۰۔ ۲۰۱۴ء میں بورڈ کے اجلاس عمومی کے لئے مقام کے تعین پر غور

۱۱۔ دیگر امور باجازت صدر

وفیات

رکن اساسی بورڈ حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم نورحق فیض آباد ۲۰/اکتوبر ۲۰۱۳ء کو، رکن میقاتی حضرت مولانا محمد ولی اللہ رشادی صاحب ویلور تامل ناڈو ۳/نومبر ۲۰۱۳ کو اور رکن اساسی مولانا عبدالسلام رحمانی ۲۹/دسمبر ۲۰۱۳ء کو مالک حقیقی سے جا ملے۔

غیر ارکان میں مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب بانی جامعہ اسلامیہ سنابل دہلی ۲۰/اگست ۲۰۱۳ء کو، پروفیسر ڈاکٹر لطف الرحمٰن صاحب بھاگلپور ۳۱/اگست ۲۰۱۳ء کو، جناب ڈاکٹر سید عبدالباری صاحب ایڈیٹر ملی اتحاد یکم/ستمبر ۲۰۱۳ء کو، جناب غلام محمد پٹنی صاحب ممبئی ۱۸/ستمبر ۲۰۱۳ء کو، مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب ایڈیٹر ان چیف ماہنامہ ضیاء الاسلام ۲۸/ستمبر ۲۰۱۳ء کو، رکن بورڈ جناب محمد عبدالرشید انجینئر صاحب پربھنی صاحب کی اہلیہ محترمہ ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۳ء کو، مولانا ابوالحسن ماٹلی والا شیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا گجرات ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ کو، سابق رکن تاسیسی حکیم محمد مختار اصلاحی صاحب مرحوم کے بڑے صاحبزادے جناب حکیم محمد فیاض عالم اصلاحی صاحب ۱۸/نومبر ۲۰۱۳ء کو، علامہ منصور بجنوری مشہور نعت گو دہرہ دون ۲۹/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ کو، امارت شرعیہ کے رکن شوریٰ جناب مولانا منظور احمد قاسمی صاحب اٹکی رانچی کے والد جناب حاجی فضل حق صاحب ۳۰/۱۲/۲۰۱۳ء کو، مولانا نذر الحفیظ ندوی صاحب کی اہلیہ محترمہ یکم/دسمبر ۲۰۱۳ء کو اور جناب ناصر رحمانی صاحب ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۳ء کو انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مرحومین ومرحومات کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

۞۞۞